وادی گماں میں

رحیم گل



یہ انوکھا فسانہ ہے ----!

عجیب سا'

خیال جیسا----

خواب جیسا----

جسے میں نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا ہے ----

انسان نے چاند پر قدم نہیں رکھا تھا' تو یہ خواہش' کہ چاند کا طلسم ٹوٹے'

جستجو کہ نور کی دنیا میں کیسے لوگ بستے ہوں گے ----؟

چاند کا افسوں بکھر گیا----

نہ آدم نہ آدم زاد' نہ بڑھیا نہ چرخہ ----

غاریں اور ویرانے ----

مٹی اور پتھر----

سائنس آگے بڑھی ----

مگر انسان کا من شانت نہ ہوا----

کروڑوں ستارے' جو ہر شب ہمارے سروں پر چمکتے ہیں۔ ان گنت سیارے'

جو ہر رات اپنی جگہ بدلتے ہیں۔ انسان جاننا چاہتا ہے ---- کہ کہکشاؤں کی دنیا

میں زندگی کے رنگ ڈھنگ کیا ہیں ----؟

انسان جاننا چاہتا ہے ---- چاند نہ سہی ، مریخ کا بھید ہی پالے۔ مریخ میں بھی کچھ نہ ملے' تو پھر آگے بڑھے' مزید آگے ----!

کھوج جاری رکھے ----

اپنے جیسا' یا خود سے بدتر' یا خود سے برتر' انسان یا حیوان' جن یا ملائک' ناری یا نوری' جو بھی ہو ، جیسے بھی ہو --------'

مگر تلاش جاری ہے ----

یہ احساس بے حد تکلیف دہ' کہ بھری کائنات میں محض خطۂ زمین ہی کا ذکر رہ جائے ----؟

مَیں تھا' ثمرین تھی' ----

اس کی بہن زرین ----

ڈاکٹر ضیاء تھا۔ اس کا انجینئر دوست رضا تھا۔

مَیں شاعر تھا۔ ثمرین شعر تھی ،

مَیں شاعر یوں بنا کہ ثمرین کی آنکھوں سے شعر برستے تھے۔

زرین بھی کچھ کم نہ تھی ----

ضیاء اور رضا دونوں بے تاب تھے کہ قرعۂ فال کس کے نام پڑتا ہے ----؟

ہم سب پڑھے لکھے لوگ تھے ---- لیکن سینے خوابوں سے خالی نہیں تھے۔ ----

ثمرین کی خواہش تھی مریخ پر ہنی مون منائیں ----

میری آرزو تھی مریخ سے بھی آگے نکل جائیں ----

ضیاء اور رضا تو خیر سائنس کے آدمی تھے ----

ایک آبِ حیات کی تلاش میں' کہ خضرِ زمانہ کہلا سکے ----

دوسرے کو حسرت تھی کہ بے ستون پل کا موجد بنے ----؟

زرین ان سے دو قدم آگے تھی ----

وہ دبِ اکبر پر گھر بسانا چاہتی تھی کہ فلک کے سارے ستارے اس کا طواف کریں اور روئے زمین کے سارے باسی اسے دیکھ دیکھ کر سمت کا تعین کریں ----

ساری کائنات متوقع ہو کہ بادِ شمال کی رانی کب مہربان ہوتی ہے ----

ہم سوچتے تھے ----

ہم مل بیٹھتے تو کہا کرتے تھے ----

کاش ----! ہم بیسویں صدی میں پیدا نہ ہوتے۔ ہم ایک صدی کے بعد پیدا ہوتے ----

تب' جو ہم سوچتے خواب و خیال نہ ہوتا۔ روز کا معمول ہوتا۔ جیسے پلک جھپکتے میں لاہور سے کراچی' کراچی سے پیرس اور لنڈن ----

اسی طرح زمین سے مشتری' مشتری سے مریخ' زحل' عطارد اور جانے کہاں کہاں ----!

یہ غیر سائنٹیفک باتیں نہیں تھیں۔

سائنس تسلیم'

ریاضی کو بھی تسلیم ----

مذہب بھی آڑے نہیں آتا ----

محض وقت کا تقاضا' ٹائمنگ کا'

جیسے بیسویں صدی کا شعور' انیسویں صدی سے آگے نکل گیا۔ اکیسویں

صدی کا شعور بیسویں صدی سے آگے نکل جائے گا۔

صدی جب کروٹ بدلتی ہے تو گمان، حقیقت بن چکا ہوتا ہے ----

ایک دن آتا ہے - ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کل جو خواب تھا آج وہ زندگی ہے۔

مگر زندگی کو معلوم ہی نہیں کہ پچھلی صدی اس سے محروم تھی۔ محروم ہی نہ تھی۔ شعور ہی نہ رکھتی تھی ----

مگر اب ----؟

اب تو ہُوا چاہتا ہے۔ ہر بات ممکن ہُوا چاہتی ہے۔ نپولین نے کہا تھا ----

"میری لغت میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے ----!"

تب یہ بات مبالغہ لگتی تھی۔ ایک ڈکٹیٹر کی تعلّی، بر خود غلطی کا فضول سا احساس،

مگر آج ----؟

آج، چاند زیر ہو گیا ہے ----

مریخ زیر ہونے والا ہے ----

جو ناممکن تھا ممکن ہُوا ----

جو ہم سوچیں گے۔ ایک دن ممکن ہو جائے گا ----

جو خیال ذہن میں آئے گا۔ ایک دن مکمل ہو جائے گا ----

ہم پانچ تھے، دو لڑکیاں تین مرد،

چھٹی کے دن اکٹھے ہوتے - کبھی ضیا، کے گھر، کبھی رضا کے گھر،

میرا کوئی گھر ہی نہیں تھا۔ شاعروں کے گھر کب ہوتے ہیں ----!

مہینے میں ایک بار پکنک پر جاتے۔

خوب کھاتے، خوب ہنستے اور خوب بحثتے۔

ثمرین موجود ہوتی، تو ہارنے کا کیا سوال، میں الفاظ کے موتی اگلتا تھا اور دوستوں پر چھا جاتا تھا۔

زرّیں تو تھی ہی وہم و گمان کی پری، کوہ قاف سے اُدھر کا تصور نہ رکھتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ ضیاء اور رضا کی مادّی دنیا میں طوفان اٹھتے تھے ----

ضیاء کے معزز پیشے کا غرور ----،

اور رضا کی ٹیکنالوجی کا تفاخر ---- بے کار محض تھے ----

زرّیں مفتوح ہونے والی شئے ہی نہ تھی ----

ناقابلِ تسخیر ----

خدا جانے، کس دیش کا شہزادہ آئے گا ----

اس کا من پرچائے گا ----؟

عجب من موجی لڑکی تھی ----!

جوانی کی ترنگ، کہ درخت سے لپٹنے کو جی چاہے، مگر وہ ایسی نہ تھی۔ وہ سالار تھی، اس قافلے کی، جو وادیٔ گُماں کی طرف رواں دواں تھا۔

وہ ثمرین کی بہن نہ ہوتی، تو اس کی پہچان بہت مشکل ہوتی ----

ہوا کی طرح، کہ محسوس ہو اور ہاتھ نہ آئے ----،

بادل کی طرح، کہ دکھائی دے پکڑائی نہ دے ----،

پہاڑوں کی صدا کی طرح، کہ سنائی دے دکھائی نہ دے ----

وہ رسائی اور نارسائی کی گونج تھی ----

ضیاء خوبصورت آدمی تھا ----

محض نام کا ضیاء نہیں تھا، اس کے چہرے پر بھی حیا کی ضیاء تھی ----

رضا اپنے نام کی طرح تسلیم و رضا نہ تھا-----

امنگوں اور ترنگوں سے سرشار -----'

اس پر بھی دونوں میں پیمان وفا-----'

کہ جو جیت جائے۔ دوسرا پسپا ہو جائے -----

زریں اس کی' جو اس کا من جیت لے -----!

مَیں خوش قسمت تھا کہ شعر کی دولت پائی --

میرا نصیبا کہ ثمریں کے خمیر میں شعریت تھی۔ شعر جذب کرنے کی صلاحیت تھی ----

ورنہ کہاں وہ آسمان کا ستارہ اور کہاں ایک شاعر آوارہ ----

ضیاء اور رضا حیران -----'

زریں بھی انگشت بدنداں -----'

کہ ثمریں جیسی خودسر' بیک اشارۂ ابرو پابجولاں ----'

میں نے ضیاء اور رضا کو سمجھایا-----

ضروری نہیں ہوتا کہ سوئمبر کی رسم ہو' تو شہزادے ہی کے گلے میں مالا پڑے۔

زیب النساء جیسی بھی ہوتی ہیں شہزادیاں'---

کہ نہ خوف شہنشاہی نہ رعب کج کلاہی -----'

ایک شاعر کے لئے زندگی تیاگ دی -----!

مارگریٹ جیسی بھی ہوتی ہیں شہزادیاں'۔

کہ جب بھی نظرِ انتخاب پڑی۔ کسی عامی پر' کسی نائی پر' کسی ٹوٹی پر!

زریں سے بھی بات ہوئی۔ میں نے اس سے کہا-----

"دل آنے کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ محسوس ہی نہ ہوگا پلک جھپکتے میں لٹ جاؤ گی۔ جب لٹنے کا احساس ہوگا پھر لٹتی ہی چلی جاؤ گی۔ پھر لٹنے میں ہی راحت محسوس کروگی۔ میں نے ایک وزیر زادی کو دیکھا ہے۔ ایک مصلّی کے لونڈے کے پاؤں چاٹ رہی تھی۔ اس کے پیروں میں لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ اس سے محبت کی بھیک مانگ رہی تھی' زریں ----- جب من کی پتنا آن پڑے گی' تو ساری چوکڑی بھول جاؤ گی --- پھر' نہ ماں کی یاد آئے گی نہ باپ کا خیال آئے گا۔ نہ بہن بھائیوں کی محبت تجھے بچا سکے گی ---"

بچائے گی تو اپنی محبت -----'

مارے گی تو اپنی محبت -----'

اپنا من ہی بچائے گا تجھے -----'

اپنا من ہی جلائے گا تجھے -----'

خاک ہوگی' تو اپنی محبت سے -----'

امر ہوگی' تو اپنی محبت سے -----'

محبت کے بغیر زندگی کے کوئی معنی نہیں ہوتے زریں -----!

زریں مسکرا رہی تھی ---- اور جب بولی' تو اسکے لہجے میں وہی تمکنت تھی۔

"تم شاعر ہو نا ---- شاعر اس لئے اچھے ہوتے ہیں کہ محبت کی باتیں کرتے ہیں"

"----

میں نے کہا----

"پھر----؟"

بولی----

"میں کب کہتی ہوں کہ محبت نہیں کروں گی ---- کروں گی شاعر ----
ٹوٹ کر محبت کروں گی ---- مگر وہ آئے تو ---- وہ زمین پر اترے تو ---- میں
کب سے کھڑی پکار رہی ہوں ---- تم کیا جانو شاعر! میں کب سے پر تولے کھڑی
ہوں ---- میرا کیا دوش ---- وہ نہیں آیا تو میرا کیا قصور ---- مجھے ترغیب
دیتے ہو شاعر' میری آنکھوں میں نہیں دیکھتے۔ میں کب سے منتظر اس اجنبی کی راہ
میں نگاہیں بچھائے کھڑی ہوں ----!"

اور تب مجھے احساس ہوا زریں کے دکھ کا ----

کہ اس کا تصور کیسے مجسم ہو ----؟

ہونا تو چاہئے ---- کیونکہ جو ہم سوچتے ہیں۔ ایک دن ہو جاتا ہے ----

وہ بھی ایک ایسا ہی دن تھا' نہایت خوشگوار دن ----

ثمرین نہیں تھی ہمارے ساتھ ----'

ہم چار تھے۔ سمندر کا کنارہ' لہر در لہر ہوائیں ----'

دسترخوان بچھ گیا تھا۔ کھانا لگ گیا تھا۔

معاً' نازک پردوں کی پھڑپھڑاہٹ کی مہین سی صدا آئی۔

روشنی کی ایک لہر' ایسی لہر کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی ----

اور پھر ---- وہ لمحہ دیدنی تھا ---

جب آنکھ کھلی' ہم حیرتوں کی دنیا میں محو سفر تھے۔

دو نہایت حسین و جمیل چہرے' مسکراتے چہرے' ایسے بے مثال چہرے کہ
پہلے دیکھے نہ سنے ----

روئے زمین پر تو نہیں تھا ایسا حسن' یہ انسانوں کے چہرے تھے۔ بالکل ایک
جیسے چہرے ----!

اس سے پہلے کہ ہم ایک بار پھر بے ہوش ہو جاتے' ایک آسمانی آواز نے
ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا ----

"معذرت خواہ ہیں کہ اپنوں سے جدا کیا آپ کو' مگر شاہِ یاقوت کا فرمان تھا کہ
کرۂ ارض کے مکینوں سے رابطہ ہو۔"

ہم پر تو سکتہ طاری تھا۔ کسی نے آنکھ جھپکی نہ کسی نے جواب دیا۔

ملکوتی آواز پھر گویا ہوئی ----

"آپ ایک سال سے سفر میں ہیں۔ منزل پر پہنچنے کے لئے ایک سال اور لگے
گا ----!"

ہم نے ہپناٹائز آدمی کی طرح یہ خبر بھی خاموشی سے سنی۔

ملکوتی آواز نے بات جاری رکھی ----

"جب آپ تھک جائیں گے۔ ہم آپ کو پھر سلادیں گے۔ پلک جھپکتے میں
ایک سال گزر جائے گا ----!"

ہم نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

ان دونوں نے بھی مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا ----

"آپ شاہِ یاقوت کے خصوصی طیارے میں سفر کر رہے ہیں۔ کرۂ ارض کے
لوگ اسے اڑن طشتری کے نام سے جانتے ہیں ---"

میں نے دیکھا ---- زریں کے چہرے پر طمانیت کی لہر دوڑ گئی ---

ضیاء اور رضا کے چہروں کا کھچاؤ بھی کم ہو گیا۔

مگر میرے لئے یہ سفر' ثمرین کے بغیر بالکل بے معنی تھا۔ لہٰذا میں ہی ان سے
مخاطب ہوا ----

"اجنبی دوستو ----! آپ جس دنیا سے آئیں ہیں معلوم ہوتا ہے وہاں

دوسروں کے جذبات و احساسات کا کوئی احترام نہیں ہوتا ---- ورنہ آپ مجھے ثمریں سے جدا نہ کرتے۔"

"ہم جانتے ہیں آپ کا دکھ ---- لیکن محبت کے دکھ صرف کرۂ ارض تک مخصوص ہیں۔ آپ ہماری دنیا میں پہنچیں گے' تو ہر دکھ بھول جائیں گے۔ وہاں بھوک کا مسئلہ ہے' نہ مکان کا ---- اور نہ جنسیت کا ---- حسن بے پایاں اور فراواں' جسے چاہو وہی پیا ---- جسے پسند کرو وہی آغوش میں' نہ کوئی رسم' نہ کوئی پابندی ---- نہ وہاں جرم نہ وہاں مجرم ---- ہماری دنیا آپ کی دنیا سے بہت مختلف ہے۔"

میں حیران و پریشان کہ کیا کیا انکشافات ہو رہے تھے۔ اور اُدھر میرے ساتھیوں کی آنکھیں دمک رہی تھی۔ خصوصاً" ڈاکٹر ضیاء بہت خوش تھا قدرے حیران بھی ----

"اجنبی ----!" اس نے پوچھا "آپ نے کہا ہے' ہم ایک سال سے سو رہے تھے ----کیا یہ غیر سائنسی' غیر عقلی بات نہیں ہے ---- ہم کھائے پیئے بغیر ایک سال تک کیونکر زندہ رہ سکتے ہیں ----"

اجنبی ہنس پڑا ----

"آپ نہیں جانتے ---- شاہ یاقوت نے آپ پر کتنا بڑا کرم کیا ہے۔ جب آپ بیہوش تھے ---- ہم نے آپ کے حلق سے آبِ حیواں کا ایک قطرہ اتار دیا تھا۔ آپ امر ہوگئے ہیں ---- کھائے پیئے بغیر آپ سدا کے لئے حیات ہوگئے ہیں!"

"تو گویا ہم ذائقہ کی لذت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے ہیں؟" ڈاکٹر نے تشویش مندانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں ---- آپ جب چاہیں گے' جو چاہیں گے' کائنات کی ہر نعمت' ہر لذت آپ کے لئے چشم براہ ہوگی' لیکن لذت آفرینی کا لمحہ گزر جائے گا۔ تو خود بخود ایک سائنسی عمل شروع ہوجائے گا جو کثافت کو آپ کے جسم میں تحلیل نہیں ہونے دے گا---- یہ کثافت غیر محسوس انداز میں' غیر مرئی دھوئیں کی طرح آپ کے جسم سے خارج ہوجائے گی ---- چنانچہ آپ کبھی بیمار نہیں ہوں گے۔ بوڑھے نہیں ہوں گے۔ موت کا کیا سوال آبِ حیواں کا یہ عمل آپ کو کبھی مرنے نہیں دے گا----!"

ہم نے ایک بار پھر حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"تو گویا ہم حیات ہوگئے ہیں۔ امر ہوگئے ہیں۔" زریں نے ایک طرح سے عالمِ بے خودی میں کہا۔

"اجنبی ---!" اب رضا بولا۔ "آپ ہماری زبان کس طرح جانتے ہیں۔ آپ اتنی فصیح اردو کس طرح بول رہے ہیں ----؟"

وہ دونوں مسکرائے ----

"صرف آپ کی زبان ہی کیوں' ہم کرۂ ارض کی ساری زبانیں جاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپ نہیں جانتے ہم کائنات کے جس کُرّے میں رہتے ہیں' اس کی تہذیب کرۂ ارض سے دس ہزار سال آگے ہے۔ آپ نے کمپیوٹر اب ایجاد کیا ہے۔ ہمارے کُرّے کا ہر آدمی بذات خود کمپیوٹر ہے۔ آپ جو بات کرتے ہیں' جس زبان میں کرتے ہیں' ہمارا بے حد ترقی یافتہ شعور اسے نہایت برق رفتاری سے جذب کرتا ہے۔ اسی تیزی سے مفہوم اخذ کرتا ہے اور اسی رفتار سے جواب پیش کرتا ہے۔ آپ ہم سے جس زبان میں گفتگو کریں گے' بالکل روزانہ کے معمول میں جواب پائیں گے۔ یہ کوئی غیر معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ ہمارے احاطۂ شعور کی

بے حد معمولی کارکردگی ہے۔ ایک طرح سے ہمارے ارتقاء کی تکمیل ہو گئی ہے ---!"

حیرت در حیرت ----

طشتری کا اندرونی حصہ گول بیضوی تھا--

چھت' فرش اور چاروں طرف ایسا خوبصورت کپڑا منڈھا ہوا تھا جیسے سبز گھاس اگی ہوئی ہو۔ طشتری بازوں کا ڈانگری نما لباس بھی اسی کپڑے کا بنا ہوا تھا' جس میں وہ بے حد سمارٹ لگ رہے تھے۔

طشتری کے اندر کوئی لائٹ نہیں تھی لیکن اس کپڑے سے ایسی بے مثل روشنی پھوٹ رہی تھی جس نے طشتری کو منور کر رکھا تھا۔

دونوں فلک بازوں کا قد چھ فٹ سے نکلا ہوا تھا۔ دونوں جسمانی تناسب کا نمونہ تھے۔ دونوں کے بال سنہری تھے جو مغل شاہنشاہوں کے انداز میں کٹے ہوئے تھے ---- ان کی جوتیاں بھی لباس کے رنگ کی تھیں۔

ہم چاروں نیم دائرے کی شکل میں نہایت آرام دہ کرسیوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے سامنے دونوں خلا باز اسی طرح کی کرسیوں پر براجمان تھے۔ فلک بازوں کے داہنے ہاتھ ایک یاقوتی گولہ لٹک رہا تھا جس کا سائز فٹ بال کی گیند سے قدرے کم ہو گا----

سفر جاری رہا----

زریں جو بے حد خوش تھی' بولی --"محترم! کھائے پئے بغیر محض آبِ حیات کے ایک قطرے سے ہمیں دائمی حیات کس طرح مل سکتی ہے----؟"

"خاتونِ محترم! آپ کے ساتھی نے بھی یہ سوال کیا تھا۔ آپ یہ سوال اس لئے کر رہی ہیں کہ آپ کے شعور میں وہ وسعت اور پھیلاؤ نہیں آیا جسے ہم اتنا

مقدر بنا چکے ہیں۔ سورج کی توانائی کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ لاکھوں کروڑوں برس سے اپنی آگ میں جل رہا ہے۔ جلتا بھی اس شان سے ہے کہ لاکھوں میلوں تک شعلے اٹھتے ہیں۔ خود اپنا ایندھن پیدا کرتا ہے' خود اپنا ایندھن جلاتا ہے ---- خود ہی ایٹم بنتے ہیں' خود ہی ایٹم پھٹتے ہیں۔ ایسی آگ جو بجھتی بھی نہیں' بڑھتی بھی نہیں اور ایک مکمل توازن کے ساتھ روشن ہے۔ اس کا منبع کیا ہے ----؟"

ہم خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

"تو خاتونِ محترم!" اس نے بات جاری رکھی۔ "منبع کے دریافت سے پہلے (کہ آپ کا شعور ابھی اس کے سمجھنے کی اہلیت سے مہذب نہیں ہوا) سورج کے وجود پر ہی غور کریں۔ آگ کے شعلے اپنی دائمی حیات کے لئے کس پراسس سے گزرتے ہیں' تو بات فوراً سمجھ میں آجائے گی کہ آبِ حیات کا ایک قطرہ آپ کی رگوں میں پہنچ کر کیا قیامت ڈھاتا ہو گا۔ یہ کیمیائی قطرہ آپ کے خون میں مل کر وہی عمل جاری رکھتا ہے جو سورج کے ایٹم' سورج کی تب و تاب کو ابدیت دینے کے لئے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ آبِ حیات کے اس قطرے میں نہ ختم ہونے والی توانائی ہے۔ آپ کی زمین پر جو ہائیڈروجن بم بنائے جاتے ہیں۔ آبِ حیات کے ایک قطرے کی توانائی سو ہائیڈروجن بموں سے زیادہ ہے۔ یہ توانائی نہ صرف سدا کا حیات دیتی ہے بلکہ ہمیشہ جوان رکھتی ہے۔ تر و تازہ اور شگفتہ رکھتی ہے ----!"

"ایسی نایاب شے جس کا ایک قطرہ سو ہائیڈروجن بموں پر بھاری ہے' آپ نے ہم خاکیوں پر کیوں ضائع کیا----؟" میں نے پوچھا۔

"یہ شاہ یاقوت کا فرمان تھا---- وہ تجربہ کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ ہمارے کرہ میں کوئی مسئلہ باقی نہیں رہا تھا' اس لئے انہوں نے کرۂ زمین کا انتخاب کیا----

اگر ہمارے پاس آبِ حیواں کا وافر ذخیرہ ہوتا تو ہم کرۂ زمین کے باسیوں کو ایک ایک کرکے نوازتے اور ان کے دکھ اور مسائل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کردیتے۔ آپ تو جانتے ہیں فساد کی جڑ زر' زن اور زمین ہیں۔ ہم نے آبِ حیواں کا ایک قطرہ پلا کر انسان کی ہوس کو ہمیشہ کے لئے دفن کردیا ہے۔ آپ سوچیں دوستو! زر کی کیا ضرورت ہے کہ بھوک کا خوف ہی جاتا رہے ---- رہی زن' تو صورت حال یہ ہے کہ لوگ' ایک عورت کو حاصل کرنے کی خاطر قتل مقاتلے کرتے ہیں' لیکن جہاں مرد کی دل لگی کے لیے لاکھوں کی تعداد میں ایک سے ایک حسین عورت موجود ہو' وہاں من پسند عورت کے لئے شر پھیلانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ رہا مکان کا مسئلہ؟ آپ دیکھیں گے' جب ہماری جنت میں قدم رکھیں گے' جہاں میں رہتا ہوں' جہاں میرا یہ ساتھی رہتا ہے بالکل ایسی ہی رہائش شاہِ یاقوت کی ہے ---- ایسی ہی رہائش فردا" فردا" آپ کو ملے گی ---- آپ دیکھیں گے' کرۂ ارض کے بادشاہ بھی ایسی حسین و جمیل رہائش کا تصور نہ رکھتے ہوں گے۔ شاعر محترم! شاہِ یاقوت کا کرم ہے آپ پر کہ اظہار کے عذاب سے بچ گئے۔ ورنہ کیا ہوتا ساری زندگی تخلیق کے کرب میں گزارتے اور اصرار کرتے کہ آپ نے صداقت کی تلاش میں زندگی کا خراج ادا کیا ہے۔ مگر اس پر بھی کرۂ ارض کا بھلا نہ ہوتا۔ کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ ایک لاکھ شعر کہنے کے بجائے آپ ایک قطرۂ حیواں بنانے پر قادر ہوتے ----؟"

خلاباز کی باتیں میرے نقطۂ نگاہ سے بہت تلخ تھیں۔ ویسے سچی تھیں۔ اس میں سد بھی نہیں تھا۔ وہ چھوٹے بچوں کی طرح سمجھا رہا تھا۔

مگر میں تو شاعر تھا۔ آبِ حیواں پینے کے باوجود شعر کی نفی کا رویہ مجھے اچھا نہ لگا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے بچگانہ شوخی کا اظہار کیا۔

"آپ نے آبِ حیواں کے قطرے کو شعر کی صداقت سے ارفع بتایا۔ جبکہ شعر میں خود تخلیق کرتا ہوں اور چشمۂ حیواں قدرت کی دین ہے۔"

"نہیں شاعر نہیں۔ چشمۂ حیواں کا تصور زمینی تصور ہے۔ یہ قدرت کا عطیہ نہیں' شاہِ یاقوت کی تخلیق ہے۔ وہی اس کے خالق ہیں۔ ان کا ہر کارنامہ شعوری اور سائنسی ہے۔ وہ معجزوں پر یقین نہیں رکھتے۔ جس طرح آپ لوگ زمین پر سونا بنانے کے تجربے کرتے رہتے ہیں' اسی طرح شاہِ یاقوت نے آبِ حیات کی تخلیق پر قادر ہونے کے لئے لاکھوں تجربے کئے۔ زمین والوں نے ایٹم کی قوت حاصل کرکے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنائے کیونکہ آپ اپنے لہو سے ہلاکت خیزی کا وہ عنصر الگ کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں کرسکے جو انسان کو جنگل کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کے برعکس شاہِ یاقوت نے ایٹم کی توانائی سے انسانی شر کو زیر کرنے کا تہیہ کیا۔ آپ نے تو اس صدی میں ایٹم کا راز پایا' مگر ہم تو دس ہزار سال سے جوہری توانائی سے کام لے رہے ہیں ----'

"یہی نہیں سورج کی توانائی کو لے لیجئے ---- آپ سو وولٹ کے معمولی سے بلب سے گھر کو روشن رکھتے ہیں' لیکن سورج سے جو روشنی کروڑوں سال سے خارج ہوکر ضائع ہو رہی ہے' اسے ذخیرہ کرکے انسان دنیا کی کایا پلٹ سکتا ہے۔ ----'

"شاید آپ کو معلوم نہ ہو ہم نے سورج کی ضائع ہونے والی روشنی کا بھی ذخیرہ کرلیا ہے۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ایٹم کی توانائی' روشنی کے اس ذخیرے کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہے ----'

"یہ روشنی اتنی طاقتور چیز ہے کہ اس سے تیار کردہ فٹ بال جتنا حجم کا بم کرۂ ارض پر پھینکا جائے' تو پلک جھپکتے میں ساری زمین جل کر بھسم ہوجائے۔ سمندر

خشک ہو جائیں اور پہاڑوں کا نام و نشان باقی نہ رہے ----'

"آپ جس طشتری میں سفر کر رہے ہیں' یہ اسی روشنی کی طاقت سے عبارت ہے ----!"

"مگر روشنی تو روشنی ہے- یہ طاقت کیسے بن جاتی ہے؟" زریں نے پوچھا-

"ذرہ تو ذرہ ہے-" اجنبی نے برجستہ جواب دیا- "اگر ذرے کو دو لخت کر کے آپ جوہری طاقت حاصل کر سکتے ہیں' تو روشنی کو قید کر کے وہی مقصد حاصل کر سکتے ہیں-"

"یعنی ----؟"

"یعنی یہ کہ' روشنی کا دائرہ تنگ کر کے جوہری طاقت کے مقابلے میں ہزاروں گنا زیادہ طاقت حاصل کر سکتے ہیں- روشنی کی بڑی مقدار کو بند کر کے جس قدر زیادہ محدود کیا جائے' جکڑا جائے' ردِ عمل اتنا ہی شدید ہو گا ----'

"یوں جانئے ---- روشنی جب اخراج کے لئے تڑپتی ہے' اخراج کا راستہ تلاش کرتی ہے' تو اس عمل سے پہاڑ بھی اس کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتا- روشنی کے اخراج کو کنٹرول کرنا ہی اصل کامیابی ہے' یعنی روشنی کو قید کرنا' اسے میکانکی شکنجے میں ڈال کر محدود کرنا' اور پھر میکانکی انداز میں اس کا اخراج ہی توانائی ہے ----"

ہم چاروں خاموش تھے اور حیرت سے ان خوبصورت طشتری بازوں کو دیکھ رہے تھے' جو لحہ بہ لحہ انکشاف در انکشاف کر رہے تھے- ہمیں حیرت زدہ پا کر ان میں سے ایک بولا ------

"ہمارے کرّے میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے ---- اس لئے کہ ہمارے کرّے میں کوئی بیماری نہیں ہے ---- ہم نے جراثیم کو نیست و نابود کر دیا ہے- ہم نے ایسا ماحول تشکیل دیا ہے کہ جراثیم جنم لے سکتے ہیں اور نہ پنپ سکتے ہیں- ----"

"اس کا مطلب ہے آپ نے اپنی زندگی میں کسی کو مرتے نہیں دیکھا ہو گا ----؟" ڈاکٹر نے پوچھا-

"پانچ ہزار سال پہلے اموات ہوا کرتی تھیں- مَیں نے لوگوں کو مرتے دیکھا ہے- خود میں بھی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہا ہوں- اس وقت میری عمر دو سو سال کے قریب تھی- مَیں بوڑھا ہو چکا تھا اور طبعی موت مر رہا تھا ---- یہی زمانہ تھا جب شاہِ یاقوت آبِ حیات بنانے پر قادر ہوئے ---- آبِ حیات کا قطرہ جونہی میرے حلق سے اترا موت ایسی بھاگی کہ پھر کرۂ یاقوت کی طرف لوٹ کر نہ آئی ----!"

"گویا آپ کی عمر پانچ ہزار سال کے لگ بھگ ہے جبکہ آپ محض بائیس برس کے لگ رہے ہیں ----؟" زریں نے پوچھا-

"ہاں خاتون! پانچ ہزار سے سو دو سو سال زیادہ ہی ہو گی- آپ کے آباؤ اجداد' یعنی کرۂ ارض کا آدمی جب جنگل میں ننگ دھڑنگ پھرتا تھا اور پتھر سے شکار کھیلتا تھا- مَیں ایک مہذب دنیا کا فرد تھا- ایسی تہذیب کا فرد جو آپ کی موجودہ تہذیب سے بھی بہت آگے تھی-"

"مگر ایک دن آئے گا- ہم بھی آپ کی طرح اپنی تہذیب پر فخر کریں گے- ----"

"ہاں شاعر! وہ دن ضرور آئے گا-" اجنبی ہنس پڑا- "دس ہزار سال بعد ایسا یقیناً" ہو جائے گا ----!"

"کائنات کی قدامت کے لحاظ سے دس ہزار سال کوئی زیادہ عرصہ نہیں- مَیں

تو اسے کائنات کی ایک کروٹ کہتا ہوں۔ کائنات دوسری کروٹ لے گا' تو ہماری تہذیب آپ کی تہذیب سے ٹکر لے سکے گی' کیونکہ آپ کی تو تکمیل ہوچکی ہے اور مزید ترقی کی ضرورت نہیں سمجھتے۔"

"ہاں شاعر! ایسا ہوجائے گا ایک دن' ہماری بھی خواہش ہے کہ کرۂ ارض میں ابدی امن ہو۔ بیماریاں ختم ہوجائیں۔ جنگیں ختم ہوجائیں' نفرتیں ختم ہوجائیں اور شر کی جگہ محبت کا راج ہو۔"



عین اس لمحے دوسرے اجنبی نے اعلان کیا----

"زمینی دوستو! اگر آپ دیکھنا چاہیں تو اپنی بائیں طرف مشتری کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہم اس سیارے سے ڈیڑھ لاکھ میل کے فاصلے پر ہیں۔"

ہم سب نے بیک وقت اس طرف دیکھا۔ مشتری ہمیں بالکل اس طرح نظر آیا جیسے زمین سے چاند نظر آتا ہے۔

"کیا ہم مشتری پر چند گھڑیاں رک نہیں سکتے؟" زریں نے پوچھا۔

"نہیں خاتون' شاہِ یاقوت کے نظام میں سیکنڈ کے ہزارویں حصے جتنا فرق کا تصور بھی نہیں ہے۔ ہم اپنے کرے میں صحیح وقت پر اترنا پسند کریں گے۔"

عین اس وقت مہین سی گھنٹی بجی۔

فلک باز مسکرائے۔

"شاہِ یاقوت گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

دائیں طرف بیٹھے فلک باز نے یاقوتی گولے کے نیچے ایک چھوٹا سا بٹن دبایا تو سرخ یاقوتی گولہ دمک اٹھا۔ اس سے بے پناہ شعاعیں نکل رہی تھیں۔

ہم نے حیرت سے گولے کی طرف دیکھا۔ گولے میں شاہِ یاقوت کی تصویر یا یوں کہیئے کہ بہ نفسِ نفیس موجود تھے۔ شاہِ یاقوت بالکل طشتری بازوں کا ہم شکل تھا---- اس کی عمر بھی بیس بائیس سال سے زیادہ نہیں لگ رہی تھی۔ خلا باز اور شاہِ یاقوت محوِ گفتگو تھے۔

ان کی زبان ہمارے لئے اجنبی تھی۔ مگر ہم جان رہے تھے کہ موضوعِ گفتگو ہم ہیں۔ جامِ جم کے متعلق جو کچھ کتابوں میں پڑھا تھا' اب آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

زریں نے سرگوشی کی۔ "شاہِ یاقوت بھی بالکل ان جیسا ہے۔ مَیں سمجھ رہی تھی پانچ چھ ہزار سال کی بزرگ ہستی ہوگی۔"

فلک باز ہنس پڑا اور زریں کو مخاطب کرکے بولا۔ "شاہِ یاقوت نے آپ کی سرگوشی سن لی ہے۔ وہ سلام کہہ رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ ان کی عمر ساڑھے پانچ ہزار سال' سات ماہ' پانچ دن' اٹھاون منٹ اور دس سیکنڈ ہے-----!"

"لیکن کرۂ ارض کے حساب سے ان کی عمر بیس بائیس برس سے زیادہ نہیں لگتی۔"

فلک باز بولا۔ "شاہِ یاقوت فرماتے ہیں ہمارے کرے میں ہر آدمی آپ کو اسی عمر کا نظر آئے گا' چاہے اس کی عمر پانچ ہزار سال ہے یا چار ہزار سال۔"

"اور آپ سب کی شکلیں بھی ایک جیسی۔" زریں بولی۔

"تاکہ کسی کو کسی پر ترجیح کا احساس نہ ہو۔ ہمارے سماج میں سب کے حقوق برابر ہیں۔ ہم نے جسمانی بیماریوں کی طرح نفسیاتی بیماریوں کا بھی قلع قمع کردیا ہے۔ یہاں کسی کو کوئی کامپلکس نہیں۔ نہ احساسِ برتری کا' نہ احساسِ کمتری کا' ہم خوش اور مطمئن لوگ ہیں۔"

یہ ساری باتیں شاہِ یاقوت خلا بازوں سے کہہ رہے تھے اور خلا باز ہمیں منتقل کر رہے تھے۔

کچھ دیر دونوں میں بلکہ تینوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ پھر اچانک یاقوتی گولے کی شعاعیں بجھ گئیں۔ گولے میں اب شاہِ یاقوت نظر نہیں آ رہا تھا۔ فلک بازوں نے ہماری طرف دیکھا تو مَیں نے پوچھا۔

"شاہِ یاقوت سے اور کیا باتیں ہوئیں ----؟"

"وہ آپ کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ ہمارے اس اقدام سے ہمارے زمینی دوست ناخوش تو نہیں ہیں؟"

"آپ نے کیا جواب دیا -----؟"

"مَیں نے بتایا ---- چاروں حیرت زدہ ہیں کہ یہ بالکل فطری امر ہے۔ خاتون کا ردِ عمل زیادہ شدید نہیں ہے۔ ڈاکٹر اور انجینئر بھی ایک لحاظ سے خوش ہیں' البتہ شاعر ناخوش ہے کہ اسے اپنی زمینی محبت سے بچھڑنے کا احساس ہے ---- اور یہ بھی' کہ اس اقدام میں اس کی مرضی شامل نہیں ہے ----!"

"پھر کیا جواب دیا شاہِ یاقوت نے -----؟"

"شاہِ یاقوت کو مداخلت بے جا کا اعتراف ہے' مگر وہ توقع کرتے ہیں کہ یہاں پہنچ کر شاعر کے شکوے دور ہو جائیں گے۔ ہم انہیں اتنی خوشیاں دیں گے کہ زمین انہیں پانچ ہزار سال بعد بھی نہ دے سکے گی۔"

اس سے پہلے کہ مَیں کچھ کہتا رضا بولا۔ "آپ نے ہمیں آبِ حیواں پلا کر امر تو کر دیا ہے۔ کیا آپ کے کرے میں پہنچ کر ہماری شکلیں بھی آپ جیسی ہو جائیں گی ----؟"

"یہ آپ پر منحصر ہے۔ آپ چاہیں گے تو ایسا ہو جائے گا۔ آپ نہیں چاہیں گے تو شاہِ یاقوت اصرار نہیں کریں گے۔"

"کیا آپ فیس سرجری کریں گے ہماری -----؟"

"ہرگز نہیں۔ ہم ڈاکٹری کے کسی شعبے کے محتاج نہیں۔ یہ سب کچھ سورج کی توانائی سے ہوگا۔ آپ کو ایسے کرے میں پانچ منٹ رکھا جائے گا جس کے ٹمپریچر کو روشنی کنٹرول کرتی ہے۔ آپ وہاں تقریباً پگھل جائیں گے' مگر محسوس نہیں کریں گے۔ روشنی کا غیر مرئی ہاتھ آپ کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جیسے سانچہ پگھلے ہوئے لوہے کو نئے روپ میں ڈھال لیتا ہے ---- پانچ منٹ بعد ٹمپریچر بدل جائے گا تو آپ خود کو نیا آدمی محسوس کریں گے۔ ایسا آدمی' جو پہلے سے زیادہ چاق و چوبند ہوگا اور خود کو سانس لینے والا متحرک کمپیوٹر محسوس کرے گا۔"

"آپ اس عمل سے گزر چکے ہیں ----؟" رضا نے پوچھا۔

"ہاں ہمارے کرہ کا ہر آدمی' آبِ حیات نے ہمیں امر کر دیا' مگر اس عمل نے ہمیں زندگی کے ولولوں سے سرشار کر دیا۔"

مَیں نے دیکھا رضا کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ ڈاکٹر کی بھی یہی کیفیت تھی۔ زریں کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

مجھ سے نہ رہا گیا۔ "کیا آپ اس پر روشنی ڈالیں گے کہ جب آپ موت پر قادر ہو گئے تو زندگی کا سلسلہ کیوں منقطع کر دیا یعنی افزائش نسل کا سلسلہ ----؟"

افزائش نسل کی ضرورت تب تک تھی جب تک انسان فانی تھا' انسانی نسل کو زندہ رکھنے کے لئے اسے اولاد کی ضرورت تھی تاکہ چراغ سے چراغ جلتا رہے' لیکن اب جبکہ ہم ہمیشہ زندہ رہیں گے' ہمیں اولاد کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اپنے کرے میں، گنجائش سے زیادہ بوجھ کیوں ڈالیں۔ ہم اپنی آسائشوں کو محدود کیوں

کریں ----؟"

"لیکن اولاد کی خواہش میں جذباتی تسکین کا پہلو ہوتا ہے۔ کیا آپ کو اس کا احساس نہیں ہے ----؟"

"یہ احساس اس وقت ہوتا ہے جب تک آپ کو مرنے کا خوف ہو۔ مرنے کا خوف نہ رہے گا تو یہ احساس بھی ختم ہو جائے گا۔ خود میں اپنا تجربہ بتاتا ہوں۔ مَیں دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کا باپ تھا لیکن اس عمل کے بعد ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت نہ رہی ----'

"ہم جانتے ہیں کہ جذباتی رویہ بے معنی چیز ہے' جو کچھ ہے سائنس ہے' شعور ہے۔ جذباتی رویہ دکھ کے سوا کیا دے سکتا ہے جبکہ سائنس آپ کو کبھی مایوس نہیں کرتی' کبھی دھوکہ نہیں دیتی ----' اور ٹھوس نتائج سے نوازتی ہے۔"

"آپ کے معاشرے میں شاہِ یاقوت کا کیا کردار ہے؟ آپ ان سے کس حد تک متاثر ہیں ----؟"

"شاہِ یاقوت ہمارے لئے شعور کی علامت ہیں۔ وہ ایک ایسا مرکز ہیں جہاں سے ذہانت کی شعائیں پھوٹتی ہیں اور زندگی کا مفہوم اجاگر کرتی ہیں۔ وہ صداقت کا ایسا منبع ہیں جہاں سے خیر و حسن کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ان کے حکم احکام نیکی کی دستاویز ہیں جن کی تعمیل میں مسرتوں کے پھول کھلتے ہیں۔ شاہ یاقوت کائنات کا واحد حاکم ہے جس نے اپنے معاشرے میں ادنیٰ و اعلیٰ کی تفریق مٹادی ---- وہ خیر و عافیت کی علامت ہیں ----' ایسی علامت' ایسی بلاغت' ایسی طاقت' جس نے انسانی فطرت سے شر کی جڑ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا ہے ---- مگر پھر بھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا ---- تو ہم اسے سلام کیوں نہ کریں ----"

"یہ عجیب ہے کہ انسان اس قدر طاقتور ہو اور تمکنت کا اظہار نہ کرے؟"

"ان کی طاقت کا سرچشمہ ان کی محبت ہے ----"

"اس محبت کو خوشبو کی طرح انہوں نے چاروں افق پھیلا رکھا ہے۔ ہمارا سماج ایک ایسا کنبہ ہے جس میں آپ کو ایک آدمی بھی ناراض نہیں ملے گا---- ہمارا خیال ہے بلکہ یقین ہے ----' کہ ہم جیسا مکمل سماج کائنات میں کہیں اور نہیں ہوگا----' اور یہ اس لئے ہے کہ شاہِ یاقوت نے دنیا کو ہلاکت خیزی کی بجائے شعور اور محبت سے فتح کیا ہے۔ انہوں نے جسموں کو نہیں دلوں کو مسخر کیا ہے!"

"مَیں مانتا ہوں کہ آپ کے سماج کا کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ کا فرد کائنات کا خوشحال ترین فرد ہے ---- مگر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ فراعنۂ مصر آپ سے زیادہ خوشحال نہیں تھے ----؟"

"فرعونوں کا شاہِ یاقوت سے کیا مقابلہ' وہ تو ذہنی طور پر اس قدر قلاش لوگ تھے کہ جو نہ تھے' بن بیٹھے۔ کبھی صداقت بھی مر سکتی ہے۔ کبھی خدا کو بھی موت آسکتی ہے؟ شاہِ یاقوت موت پر قادر بھی ہوئے' لیکن خدائی کا دعویٰ نہ کرسکے' مگر وہ جو موت کے سامنے تنکے کی حیثیت رکھتے تھے' خدا بن بیٹھے ---- آپ اگر چاہیں تو ہمارے پاس ایسا انتظام ہے کہ فرعون کی روح آپ سے ہمکلام ہو۔ کرۂ زمین کی ساری روحیں شاہِ یاقوت کی دسترس میں ہیں ---- آپ ان سے مکالمہ کرکے تسلی کرلیں کہ وہ اپنے دورِ شہنشاہیت سے کس حد تک مطمئن ہیں ----؟"

اس انکشاف پر ہم چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

زریں بولی۔ "بات کرلو شاعر! ہم فرعون کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

مَیں نے فلک باز کی طرف دیکھا اس نے فوراً" بٹن دبایا۔ یاقوتی گولہ دمک

اٹھا۔ اگلے لمحے شاہِ یاقوت مسکراتے ہوئے گولے میں نظر آگئے ——

فلک باز مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ "شاعر' فرعونِ مصر سے بات کرنا چاہتا ہے۔ ——؟"

ہم نے دیکھا شاہِ یاقوت کی مسکراہٹ میں مشفقانہ لہر اُبھری۔

"یہ لوگ جس کسی سے بات کرنا چاہیں' اس کی روح بلا تامل حاضر کردو۔"

ٹک کی آواز آئی۔ شاہِ یاقوت نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ یاقوتی گولہ اسی طرح روشن تھا۔ چند لمحوں کے بعد یاقوتی گولے میں ایک سایہ سا اُبھرا۔ دھیرے دھیرے سایہ واضح ہوتا چلا گیا۔

ہم چاروں دم بخود تاریخ کی اس جابر شخصیت کو دیکھ رہے تھے کہ روئے زمین پر جس کی دھاک تھی کہ پرندہ پَر نہ مار سکے اور شیر اس کی اجازت کے بغیر کچھار سے باہر نہ نکل سکے ——

آج اس کی روح اتنی بے بس تھی کہ شاہِ یاقوت کے ایک اشارے پر مجبور و محسور ہمارے سامنے کھڑی تھی ——

لمبے چوڑے جبڑوں والا' لمبوتری شکل والا۔

پریشان حال شخص فرعونِ مصر تھا ——!

اس نے چاروں طرف طشتری کے اندرونی حصے کا جائزہ لیا۔ پھر طشتری بازوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کرۂ یاقوت کے فلک بازو! کرۂ زمین کے مکینوں کو کہاں لے آئے ہو ——؟"

ایک دو لمحے خاموش رہ کر دوبارہ بولا۔ "شائد اس لئے بلایا ہے کہ یہ خاکی لوگ' ایک باجبروت خاکی کا حشر دیکھ سکیں ——؟"

"نہیں فرعونِ مصر!" فلک باز نے جواب دیا۔ "کرۂ یاقوت کے مکینوں کا یہ وطیرہ نہیں کہ کسی کی انا کو ٹھیس پہنچائیں۔ زمین کا یہ شاعر آپ سے بات کرنے کا خواہشمند تھا' اس لئے آپ کو زحمت دی گئی ——"

فرعون نے میری طرف دیکھا ——

اس نظر میں تمکنت کے ساتھ دبی دبی سی جھنجلاہٹ بھی تھی۔

"کیا بات ہے شاعر' معلوم ہوتا ہے تم کرۂ یاقوت پر جانے کے لئے آمادہ نہیں ہو۔ مگر ہم اس سلسلے میں آپ کی مدد کرنے سے قاصر ہیں۔"

"میں کرۂ ارض کے خدا کو اتنا بے بس دیکھ کر شرمندہ ہو رہا ہوں' فرعونِ اعظم ——!"

"ہم خدا نہیں تھے شاعر! ہمیں اعتراف ہے کہ زمین کے انسان کو جب جاہ و حشمت ملتی ہے' تو اس کا قد آسمانوں کو چھونے لگتا ہے' مگر قباحت یہ ہے کہ آسمان چھونے کے شوق میں پاؤں زمین سے اکھڑ جاتے ہیں —— پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو دھرتی بھی آنکھیں پھیر لیتی ہے —— آسمان تو خیر پہلے ہی کج رفتار مشہور ہے ——!"

"فرعونِ اعظم! یہ اعتراف جس کا آج آپ کو احساس ہے' اس زمانے میں کیوں آپ کے قبضۂ قدرت سے باہر رہا ——؟"

"زمین کی تقدیر میں خواری لکھی تھی شاعر! خدا نے ہمیں شعور تو دیا مگر وہ دل نہ دیا جو مکینانِ کرۂ یاقوت کے سینوں میں تھا ——"

ہمیں تیر تفنگ' جبر و استیصال کی توفیق بخشی' مگر وہ فطرت نہ دی جو محبت کے گداز کو عام کرتی ہے ——'

شاعر! دنیا کو فرعونوں کی ضرورت نہ تھی' شاعروں کی ضرورت تھی کہ دل گداز کرتے' محبتیں بانٹتے۔ دنیا کو کج کلاہوں کی ضرورت نہ تھی' سائنسدانوں کی

ضرورت تھی کہ سمندر کے کھارے پانیوں کو شیریں بناتے' صحراؤں کو گلزار کرتے اور ہماری فطرت کی کجیوں کو راست کرتے ----'

شاعر ---! وقت گزر چکا ہے۔ اب اعتراف بیکار ہے۔ زندگی دوسرا موقع نہیں دیتی ----!"

مجھے فرعون سے ہمدردی ہونے لگی' مگر بات آگے بڑھانے کے خیال سے پوچھا۔ "زندگی کی ہر آسائش حاصل تھیں آپ کو' آپ کی کوئی خواہش ایسی نہ تھی جو پوری نہ ہوئی ہوگی۔ زر' زن' لذت کام ودہن' شراب وکباب' نشۂ اقتدار' رعونت شاہی' کیا کچھ تھا جو حاصل نہ تھا۔ مَیں سمجھتا تھا' کوئی حسرت نہ ہوگی آپ کے دل میں!"

"تھی ایک حسرت' کہ ہم خدا نہیں تھے۔۔ ہم نے ٹھان لی کہ خدا بنیں گے۔ تاج شاہی سر پر ہو اور جنبش ابرو کے اشارے پر لوگ کٹ مرنے کے لئے تیار ہوں تو جباری اور قہاری کا احساس خواہ مخواہ سینے میں دَر آتا ہے۔ پھر سچ وہ سچ نہیں رہتا جو کتابوں میں درج ہوتا ہے۔ تمکنت شاہی جو اصول وضع کرتی ہے دنیا اس کو سچ ماننے لگتی ہے۔ طاقت وہ خدا ہے شاعر! جسے ساکنانِ ارض نے ہمیشہ سلام کیا ہے۔

"مگر اس کے باوجود طاقت کا طلسم ایک دن ضرور ٹوٹتا ہے۔ وہ جو خدا بننا چاہتے ہیں' تاریخ کے اس سچ کو سدا نظرانداز کرتے آئے ہیں اور جب وقت گزر جاتا ہے تو پھر لکیر پیٹتے ہیں اور اپنی تہی دامنی کا ماتم کرتے ہیں۔

"شاعر! انہی المیوں سے تاریخ مرتب ہوتی ہے' لیکن ہر المیے کے بعد نیا فرعون زمین پر وارد ہوتا ہے تو سمجھتا ہے پچھلے سارے فرعون نااہل تھے۔ ان میں خدا بننے کی اہلیت نہیں تھی۔ ان سے یقیناً" ایسی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں کہ تاریخ کے دامن پر سیاہ داغ بن گئے' چنانچہ اس خوش فہمی میں وہ ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دینے پر تل جاتے ہیں جو اس سے پہلے فرعونوں کو نہ سوجھی تھیں۔ -----'

"ایک فرعون ستم پرور تھا' تو دوسرا ستم ایجاد کہلانے سے کم پر راضی نہ ہوا' مگر شاعر! وہ لمحہ' تاریخ کا وہ مختصر اور حقیر ترین لمحہ' جو فرعون کے گمان میں نہیں ہوتا۔ غیر مرئی شکل میں خنجر بکف منتظر کھڑا رہتا ہے اور ساعت مقرر' خدائے ارض کے سینے میں اتر جاتا ہے۔۔۔

"اور تب خدائے محض کو احساس ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے پیشروؤں سے مختلف نہیں تھا۔۔۔ انہی کی طرح کمزور تھا۔۔۔ بے بس تھا اور انہی کی طرح تاریخ کے صفحات کو داغدار کرکے رخصت ہوگیا۔۔۔"

"زمین کے لئے کوئی پیغام فرعونِ اعظم!" مَیں نے اس مظلوم خدا سے پوچھا۔

"بیسویں صدی کے انسان کو چار ہزار سال پہلے کا انسان کیا پیغام دے سکتا ہے شاعر! ہمارا ادراک و شعور تمہارے ادراک و شعور سے ہزاروں سال پیچھے ہے --- تم لوگ چاند پر پہنچ گئے۔ مشتری اور مریخ پر کمند پھینک رہے ہو۔ اس کے مقابلے میں ہماری آرزو صرف اتنی ہے کہ ایک بار پھر زمین پر قدم رکھ سکیں اور دریائے نیل کے پانیوں کو چھو سکیں۔"

"کرۂ یاقوت کے لئے کوئی پیغام فرعونِ اعظم؟"

"وہ بھی ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ البتہ کرۂ یاقوت سے آگے جاسکو' تو مالک ارض و فلک سے گزارش کرنا۔ ایک خطاکار کی یہی خطا تھی نا' کہ فرعون کے گھر جنم لیا۔ فرعونیت وراثت میں ملی' تو اس میں ہمارا کیا دوش' کہ خطاکار جہاں

ٹھہرے ----؟"

میں ہنس پڑا۔ "فرعونِ اعظم! آپ اپنی پچھلی باتوں کی تردید کر رہے ہیں۔ آپ نے تو تاریخ کا نہایت صحیح تجزیہ کیا تھا۔ اور اب وراثت کی آڑ میں اپنی کارکردگی کا جواز ڈھونڈ رہے ہیں ----؟ آپ کا استدلال تو مجھے مطمئن نہیں کرتا خدائے ارض و فلک کو کیوں پسند آئے گا۔"

"نادر شاہ محض ایک گڈریا تھا۔ وہ کسی فرعون کا بیٹا نہیں تھا' لیکن جب حالات نے اس کا ساتھ دیا اور سریر آرائے سلطنت ہوا تو کسی فرعون سے کم ثابت نہ ہوا ---- لیکن اس کے مقابلے میں کپل وستو کا راجکمار تھا کہ فرعونیت کے کل ساز و سامان کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر جنگلوں میں نکل گیا ---- اس کا مطلب ہے کہ جس کو وراثت میں فرعونیت نہیں ملی تھی' فرعون بن گیا ----' اور جسے وراثت میں فرعونیت ملی تھی' انسان کے بقا کی آرزو میں محل چھوڑ کر نکل گیا ---- اس کا مطلب یہ بھی ہے فرعونِ اعظم کہ اگر انسان ایک حد تک مجبور ہے' تو ایک حد تک صاحبِ اختیار بھی ہے ---- وہ اپنے اختیار کو محدود کر سکتا ہے' اپنے ہوس پر قادر ہو سکتا ہے' تو مجبورِ محض ہونے سے بھی بچ سکتا ہے ---- تو پھر ----؟"

"کیا ضرورت ہے کہ مجبوریٔ محض کو مقدر بنا لیا جائے ----!'

"فرعونِ اعظم' درمیانی راستہ موجود ہے ---- اعتدال کی راہ میں کوئی کانٹا نہیں چبھتا ----!!"

"شاعر! تمہاری باتوں میں تاریخ کا شعور بول رہا ہے ---- اس لئے تو ہم کہتے ہیں ----' بیسوی صدی کے انسان کے لئے ہمارے دامن میں کچھ نہیں۔ کاش ہم بھی بیسویں صدی میں جنم لیتے اور بادشاہت کی جگہ جمہوریت کے شعور میں پروان چڑھتے' تو آج اتنے دکھی نہ ہوتے۔"

"فرعونِ اعظم! اگر آپ کو موقع دیا جائے دوسری بار جنم کا' تو روئے زمین کے کس حصے میں جنم لینا پسند کریں گے ----؟"

"ارضِ مصر میں' شاعر ارضِ مصر میں۔" فرعون بے ساختہ بولا۔ "مصر جیسی خوبصورت مٹی روئے زمین پر کوئی اور نہیں ہے ---- اور دریائے نیل جیسا بے مثل دریا بھی کوئی دوسرا نہیں ہے ----'

ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود ہمیں آج بھی یاد ہے جب' نیل کی سطح چاند کی کرنوں سے منور ہو جاتی تھی ---- اور ہمارا بجرا مصر کی حسین ترین دوشیزاؤں کی کہکشاں میں سطحِ آب پر رواں دواں ہوتا تھا ---- ہم ارضِ مصر کے شیریں گیت سنتے تھے ----' اور دخترِ رز سے دل بہلاتے تھے ---- جوں جوں رات ڈھلتی جاتی ---- نیل کی پری پر شباب آتا ---- اِدھر کنواریاں گُل بداماں ہوتیں' اُدھر نیل کی لہریں رقص کناں ہوتیں ----' عجب سماں ہوتا شاعر ----!"

"مگر فرعونِ اعظم! جس زندگی کا نقشہ آپ نے کھینچا ہے۔ ایک عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا ---- آپ جمہور کی زندگی میں واپس جائیں گے تو فرعون ابن فرعون کی تمکنت نہیں ہوگی آپ کے پاس' نہ بجرا ہوگا' نہ بجرے میں دنیائے عرب کی نازنینوں کے اجتماع ہوں گے ----' ایک عورت آپ کے حصے میں آئے گی اسے محبوبہ کہیں یا بیوی' کولہو کے بیل کی طرح ساری زندگی اسی کے طواف میں گزریں گے ----!"

"ہاں ---- یہ تو ہوگا شاعر!" فرعون ایسے لہجے میں بولا گویا اس کا خواب ٹوٹ گیا ہو۔

زریں نے مجھ سے سرگوشی کی۔ "یہ فرعون بیحد کنفیوز آدمی ہے!"

"ہاں۔" مَیں نے جواب دیا۔ "صاف ذہن کے لوگ بھلا خدائی کے دعوے کب کرتے ہیں۔"

"خاتون کیا کہتی ہے شاعر؟" فرعون نے پوچھا۔

"خاتون کہہ رہی ہیں۔ فرعونِ اعظم کبھی یہ چاہتے ہیں' کبھی وہ چاہتے ہیں۔ کج کلاہی کی حسرت بھی نہیں گئی۔ جمہور کی آرزو کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ فرعونیت کی وراثت کی آڑ میں بے گناہی کا جواز پیش کرتے ہیں اور خدائے مطلق سے معذرت خواہ بھی ہیں ـــــ شاہی نخوت بھی زندہ' ندامت کا احساس بھی کارفرما' اتنے ہزار سال گزرنے کے باوجود بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں ـــــ؟"

"ہاں ہاں ـــــ!" فرعون نے گہرا سانس لیا۔ "خاتون ٹھیک کہتی ہے ـــــ ہم خدائے مطلق سے خوف زدہ بھی رہے' مگر خدائے محض ہونے کا فریب بھی کرتے رہے ـــــ ہم جانتے تھے ـــــ ہمارا خاکی وجود ایک دن ختم ہوجائے گا' مگر لافانی ہونے کا پرچار کرتے رہے۔ ہم نے لوگوں کو یہ مفہوم دیا کہ جب ایک فرعون آرام کرنے کے لئے زمین دوز تہہ خانوں میں چلا جاتا ہے' تو اس کی روح دوسرے فرعون میں منتقل ہوجاتی ہے ـــــ اس طرح ہم نے نہ صرف خدائی کا بھرم قائم رکھا بلکہ اپنی بادشاہت کو بھی تقویت پہنچائی ـــــ اپنی اولاد کو سہولتیں فراہم کیں اور رعایا کو سجدہ ریزی کے جادو میں جکڑے رکھا ـــــ مگر دل میں ہمیشہ ایک چور بیٹھا رہا ـــــ' کہ اگر واقعی خدا ہے تو ایک دن پرستش بھی ہوگی؟ مگر خدا ـــــ' جو یقیناً" ہے۔ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے۔ مواقع پر مواقع دیتا ہے۔ ہم جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ راہِ نجات کونسی ہے۔ راہِ حیات کونسی ہے ـــــ؟"

اس کے باوجود ہم دنیا کے بکھیڑوں پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ وہ جو زندگی کا ایک

دن ہمارے پاس باقی ہوتا ہے' ہم بے خیالی میں اسے بھی جائز مصرف میں نہیں لاتے ـــــ دراصل ہمارے ذہنوں میں اتنی کثافتیں بھری ہوتی ہیں کہ جو نہیں ہونا چاہیئے ہوجاتا ہے اور جو ہونا چاہیئے رہ جاتا ہے۔ اجتماعی مقاصد دھرے رہ جاتے ہیں اور انفرادی رجحانات کی تکمیل ہوتی ہے۔ یوں ہم غیر ارادی طور پر منزل سے دور ہوجاتے ہیں ـــ' خاتون نے ٹھیک کہا ہے شاعر' ہم نے زندگی میں دہرا سہرا رویہ اختیار کیا۔ اور ہم آج بھی متذبذب ہیں۔ کبھی یہ چاہتے ہیں۔ کبھی وہ چاہتے ہیں' مگر ہم جانتے ہیں کہ وقت گزر چکا ہے۔ ہماری تقدیر اپنے حصے کی خوشہ چینی کرچکی ہے اور اب خشخاش کا دانہ بھی ہمارے حلق سے نہیں اتر سکتا ـــــ!"

فرعون کی آواز کھوکھلی ہوگئی تھی۔ اس میں ندامت اور بے بسی کی گمبھیرتا تھی اور وہ نہایت مظلوم نظر آرہا تھا۔

ٹک کی آواز آئی۔ اگلے لمحے لمبے چوڑے جبڑوں والا' لمبوتری شکل والا' پریشان حال شخص' لہروں سے اوجھل ہوگیا۔

فلک باز مسکرا رہے تھے۔ ہم چاروں خاکی ایک حد تک گمبھیر ہوگئے تھے' اداس ہوگئے تھے۔

زریں بولی۔ "فرعون کی باتیں سن کر ہمارے دل مکدر ہوگئے ہیں۔"

ڈاکٹر ضیاء بولا۔ "اگر ہٹلر سے بات ہوجائے تو کیسا رہے؟"

"ہاں۔" رضا نے کہا۔ "اس کا طنطنہ بھی دیکھنا چاہیئے۔"

"لیجئے۔ ہٹلر حاضر ہے۔" اس بار فلک باز نے ایک اور بٹن دبایا۔ اس بار شاہِ یاقوت گولے میں نظر نہ آیا۔ تقریباً" ایک منٹ بعد ہٹلر کی شبیہہ بمع اس کی منفرد مونچھوں کے گولے میں نظر آگئی۔ اس نے وہی یونیفارم پہن رکھی تھی جو جنگ عظیم دوم میں اکثر پہنا کرتا تھا۔ اس نے چاروں طرف نخوت سے دیکھا ـــــ ہماری

طرف بھی اور فلک بازوں کی جانب بھی۔

فلک باز اس کی تیوری کو جان گئے۔ ان میں سے ایک نہایت تحمل سے بولا۔

"کرۂ ارض کے لوگ آپ سے ملنے کے خواہشمند تھے۔"

اس نے فلک باز کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ دیں۔

"تم ان ارضی لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہو نا کہ کائنات میں تم جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ تم لوگوں کو اپنی ترقی' اپنی تہذیب اور اپنے عروج پر بہت ناز ہے -- تم جب چاہو ہم لوگوں کو اپنے گولے میں حاضر کرسکتے ہو۔' تم اپنے بااختیار ہونے کا مظاہرہ کرتے ہو۔ اور یہ احساس پیدا کرتے ہو کہ ہم سے برتر ہو۔ یہی احساس میں نے زمین پر پیدا کیا کہ جرمن قوم زمین کی دوسری اقوام سے برتر ہے' تو ڈکٹیٹر ٹھہرا -- گردن زدنی ٹھہرا' لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اظہار ہم نے کیا تو تم نے بھی کیا۔ پھر کیا فرق ہوا ہم میں اور تم میں 'کہ ہم مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہیں اور تم منصف بن کر ہمارا مذاق اڑاؤ -----؟"

"مسٹر ہٹلر محترم!" رضا منمنایا۔ "یہ خواہش میری تھی۔ یہ حماقت میری تھی کہ آپ کی بے چین روح کو مضطرب کیا۔ یہ فلک باز تو نہایت بے ضرر لوگ ہیں۔ انہوں نے محض ہماری خوشی کی خاطر آپ کو زحمت دی۔"

"خطۂ ارض کے خوشامدیو! ۔ تمہاری نرم گفتاری ہمارے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی۔ تم اس بے حس خطۂ زمین سے تعلق رکھتے ہو جس نے یونین جیک کی خاطر جرمن جیسی بہادر قوم پر گولی چلائی تھی -- ہم تمہیں منہ نہیں لگاتے' اور نہ اس قابل سمجھتے ہیں کہ ہم سے مخاطب ہوسکو -----؟"

"مگر ہم آپ سے جواب طلبی کا حق محفوظ سمجھتے ہیں۔" مجھے غصہ آگیا۔

"اس لئے کہ آپ نے دنیا کے امن کو درہم برہم کیا۔ لاکھوں بچوں کو یتیم کیا ----- سہاگنوں کو بیوہ کیا ---- بہنوں کو بھائیوں سے جدا کیا ---- رہی گولی کی بات ---- تو ہم نے جرمنی کے خلاف بندوق ضرور اٹھائی تھی کہ غلام قوم کے فرد تھے' مگر ہم نے جرمن قوم پر گولی چلانے کی بجائے ہوا میں گولیاں چلائی تھیں۔ جرمن قوم کو ہم نے نہیں خود آپ نے شکست دی تھی۔' مسٹر ہٹلر! جو کام سکندر نہ کرسکا' چنگیز اور ہلاکو نہ کرسکے' اسے آپ کیسے انجام دے سکتے تھے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ جرمن کسی فرانسیسی یا روسی سے کیوں برتر ہے ----؟ کوئی پرتگالی' کسی اٹالین یا انگریز سے کیوں برتر ہے ----؟ ظاہر ہے کوئی بھی کسی سے برتر نہیں ہے۔ جب کوئی برتر نہیں' کوئی کمتر نہیں' تو کس بل بوتے پر آپ ساری دنیا کو زیر کرنا چاہتے تھے ----؟ ایک چھوٹی سی قوم کو ساری دنیا پر مسلط کرنا بالکل غیر فطری عمل تھا۔ آپ آج بھی جرمن قوم کی برتری کا راگ الاپ رہے ہیں' مگر نہیں جانتے کہ آپ کے اس رویے نے جرمن قوم کو کس قدر نقصان پہنچایا۔ ----'

"آپ نے اپنی حماقتوں سے جرمنی کو دو لخت کیا ----'

"آپ نے جرمنی کو تاریخ کی ایسی ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا کہ صدیوں بعد بھی جرمن قوم آپ کو معاف نہیں کرے گی۔

"آپ جو خود کو جرمنوں کا محسن سمجھتے ہیں' نہیں جانتے کہ جرمنی کی تاریخ کے سب سے بڑے مجرم آپ ہیں ----؟"

"شاعر!" ہٹلر چلایا۔" یہ شاعرانہ بکواس بند کرو۔ یہ جچے تلے فقرے کتابوں میں لکھنے کے لئے ہوتے ہیں ---- تم سیاست کی نفسیات کو بالکل نہیں سمجھتے۔ الفاظ کی خوبصورت نشست و برخواست اور شاعرانہ گداز سے عوام کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ---- عوام صرف ایک زبان سمجھتے ہیں ---- بلند آہنگی کی' زور سے

بولو' لور زور سے بولو' بار بار بولو' اور وہ کچھ بولو جو صرف خوابوں میں کہا جاسکے' خواب اگاؤ' خواب پھیلاؤ' خواب بچھاؤ۔۔ عوام کو خوابوں میں دفن کردو۔۔۔!"

"مگر محترم ہٹلر! یہ منفی رویہ ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔۔۔

"اگر عوام کو یہی رویہ پسند ہے تو تم جیسے سرپھروں کی پروا کون کرتا ہے۔۔۔ تم نہیں جانتے شاعر! عوام ہمیشہ ایک طلسمی شخصیت کی تلاش میں ہوتے ہیں۔۔ ایسی شخصیت سامنے آتی ہے' تو عوام آنکھیں بند کرکے اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ یہ شخصیت فریب کرتی ہے' تو فریب ہنر بن کر ان کے سینوں میں اتر جاتا ہے۔' یہ شخصیت ظلم کرتی ہے' تو اسے ادا سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ شخصیت قانون کو ہاتھ میں لیتی ہے' تو یہ آئین جہاں بانی کا ایک غمزہ بن جاتا ہے۔۔۔' شاعر۔۔۔! تم نہیں جانتے عوام ایک جابر' ایک سفاک اور ایک عہد شکن آدمی کو اس لئے پسند کرتے ہیں کہ یہ ساری خوبیاں خود ان میں نہیں ہوتیں۔۔۔ عوام کے اذہان میں انتقام کے جذبات ہمیشہ متلاطم رہتے ہیں لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے دوسروں کو کچلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔۔۔ مگر جب کوئی اور شخصیت ان کی اس خواہش کی تکمیل کرتی ہے تو ان کے سینوں میں چھپے ہوئے شیطان کی تسلی ہوجاتی ہے۔۔۔ کوئی احمق ہی ہوگا کہ عوام کی اس تسلی سے فائدہ نہ اٹھائے۔۔۔!"

"آپ کا کیا خیال ہے آپ دوبارہ جنم لیں گے' تو آج کا جرمنی آپ کو قبول کرلے گا۔۔۔؟"

"آنکھوں میں بٹھائے گا جرمنی مجھے' تم جیسے دو چار سرپھرے مخالفت کریں گے' لیکن جب میں جرمنی کے عظمتِ رفتہ کا نعرہ لگاؤں گا تو لوگ جوق ور جوق میرے ارد گرد جمع ہوجائیں گے۔۔۔ عوام کو معلوم ہوگا۔۔۔ کہ جس نے ملک گنوایا تھا' وہ انتقام کا اژدھا لے کر واپس آگیا ہے تو اس اژدھا کا سحر سب کو

لپیٹ میں لے لے گا' تم نہیں جانتے شاعر کہ نسلی افتخار کے نعرے میں کتنا جادو ہوتا ہے!"

"مگر آج کا جرمنی وہ جرمنی نہیں ہے جو چالیس سال پہلے تھا۔ آج وہاں سو فی صد تعلیم یافتہ لوگ رہتے ہیں اور ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو جنگ کی تباہ کاریاں دیکھ چکے ہیں۔۔۔"

"علم سے انسان کے اندر کا شیطان مر نہیں جاتا اور زیادہ پالش ہوجاتا ہے۔ باخبر آدمی' بے خبر آدمی کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔۔۔ انتہائے علم تضادات کی نئی نئی راہیں نکالتا ہے۔ بے خبر آدمی سیدھا سادا آدمی ہوتا ہے۔۔ ایسے آدمی کی ایک راہ متعین ہوتی ہے۔ اسے اپنی راہ سے ہٹانا بعید مشکل ہوتا ہے لیکن باخبر آدمی میں بہت لچک ہوتی ہے۔ اسے گم راہ کرنا اس لئے آسان ہوتا ہے کہ نفع و زیاں کا شعور رکھتا ہے' علم جذب پذیر ہوتا ہے۔۔۔ وہ اچھائی برائی کو یکساں جذب کرتا ہے۔۔۔ وقت آتا ہے۔ جب قطرہ قطرہ برائی' سمندر کا روپ دھار لیتی ہے۔۔۔ لور علم اس میں غرق ہوجاتا ہے۔"

"محترم ہٹلر! ممکن ہے آپ نے انسان کا جو تجزیہ کیا ہے۔۔ وہ کسی حد تک درست ہو' لیکن کیا انسانیت کے لئے ضروری ہے' انسان کو اسی ڈگر پر لگایا جائے کہ زمین پر شیطانی عمل کا دور دورہ ہو۔۔۔ تہذیب بے کار ہوجائے۔ علم بے بس ہوجائے اور انسان کی کمزوریوں سے اس کجی کی تہذیب کی جائے جس میں آپ جیسی شیطانی روحیں پروان چڑھتی ہیں۔"

"شاعر!" ہٹلر چیں بجبیں ہوکر بولا۔ "جس طرح دن اور رات' صبح اور شام' مرد اور عورت' بھوک اور روٹی لازم و ملزوم ہیں' اسی طرح نیکی لور بدی ایک دوسرے کے لئے لابدی ہیں۔ خدا اور شیطان ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہیں۔

"ایک تلقین کرتا ہے دوسرا تردید کرتا ہے ---- آخر اپوزیشن کیوں نہ ہو۔ زندگی کا مزہ اسی میں ہے کہ ایک وار کرے دوسرا وار روکے ---- اگر تم لوگوں کی تہذیب، تم لوگوں کا علم اور تم لوگوں کا مذہب انسانی تضادات پر غالب نہیں آسکا تو پھر ظاہر ہے انسان کی کجی انتہائی قوی تر چیز ہے ---- تم اس قوی تر چیز کو شیطانی عمل کہتے ہو اور میری اٹل روح کو شیطانی روح کہتے ہو، شاعر! مجھے احترام دو۔ میری ناقابلِ مفتوح روح کو سلام کرو کہ راندہ درگاہ ہوں مگر اعتراف عجز کا ڈھونگ نہیں رچاتا۔"

"میں تو خیر آپ کو کیا سلام کروں گا---- مگر آپ کی ڈھٹائی کو داد ضرور دوں گا۔ تاریخ جو ہر صدی میں بڑے بڑے المیوں سے دوچار ہوتی ہے، آپ جیسے خبیث فطرت انسانوں کا ہاتھ ہوتا ہے اس میں، جو شخص راندۂ درگاہ ہونے کے احساس کے باوجود اپنی برتری پر بضد ہو، اسے شیطان کہنے میں کیا حرج ہے مگر آپ تو شیطان کہلوانے پر فخر کرتے ہیں۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ آپ کو کس انداز میں رد کروں ----!"

ہٹلر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا ---- یہ ایک شیطانی قہقہہ تھا وہ میری جھنجلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔ ضیاء اور رضا بھی حیرت اور غصے سے ہٹلر کو دیکھ رہے تھے۔

زریں دانت بھینچتے ہوئے بولی ----

"یہ شخص تاریخ کا وہ بھوت ہے جو وقتاً فوقتاً زمین پر نازل ہوتے رہے ہیں، کبھی چنگیز کی شکل میں، کبھی ہلاکو کے بھیس میں، ان کے دلوں پر شقاوت کی مہریں لگ چکی ہیں ---- ضمیر و عدل کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ ان کے سینوں میں روشنی کی کوئی کرن نہیں جھانک سکتی۔"

ہٹلر نے دوسرا قہقہہ لگایا اور فلک بازوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کرۂ یاقوت کے فلک بازو، تمہارے ارضی دوست ہماری باتوں سے پریشان ہوگئے ہیں۔ خلاؤں میں سفر کے باوجود ان کا رویہ زمنی ہے، جذباتی باتیں کرتے ہیں اور تلقین کا عارضہ لے کر کرۂ یاقوت کی طرف محوِ پرواز ہیں ---- نہیں جانتے کہ تاریخ کے صفحات میں جذباتی بیوقوفوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی، وہاں ہم جیسے راندۂ درگاہوں کے نام رقم ہوتے ہیں ----!"

"اُوہ خدایا!" زریں حیرت سے بولی۔ "اس ازلی بد نصیب کو اس پر فخر ہے کہ تاریخ میں اس کا نام درج ہے۔ آخر خدا کو یہ کیوں منظور ہے کہ وہ گوشت پوست کی شکل میں پتھر کے آدمی بھیج دیتا ہے جو انسانی جذبوں سے خالی ہوتے ہیں ----؟"

"یہ اچھا سوال ہے، بہت اچھا سوال ہے۔" ہٹلر نے کھلتے ہوئے کہا۔ "اس سوال کے جواب سے ہمیں بھی دلچسپی ہے، روزِ حشر آئے تو پوچھیں۔ زمین کی چند سانسوں کے عوض برزخ کا یہ صبر آزما وقفہ، ایک سانس کے بدلے ایک لاکھ سال کا انتظار، آخر یہ کیسا انصاف ہے، کیسی خدائی ہے ----؟"

زریں تنک کر بولی"۔ اور کیا یہ نہیں پوچھو گے کہ پتھر جیسی بے حسی اور بھیڑیے جیسی درندگی کیوں دی ----؟"

"ہاں پوچھیں گے خدا سے، کہ یہ تم تھے جس نے ہمیں یہ خیال بخشا کہ جرمن قوم کرۂ زمین کی سب سے ذہین قوم ہے اور سب سے برتر نسل ہے اور اسے ساری دنیا پر حکومت کرنے کا حق ہے ---- اور کیوں نہیں، اگر جرمن قوم کو برتری حاصل ہو جاتی تو دنیا سے جنگیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتیں۔ ہم جرمن قوم کی ذہانت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا دیتے ---- ہم وہی کام کرتے جو خدا

کے پیغمبر کرنا چاہتے تھے۔ ہماری اور ان کی کارکردگی میں محض اتنا فرق تھا کہ وہ تلقین کا سہارا لیتے تھے، ہم نے طاقت کا سہارا لیا۔"

"اور آپ کی یہ طاقت ناکام ہوگئی۔" زریں نے وار کیا۔

"تلقین بھی تو ناکام ہوگئی۔ کتنے رسول اور پیغمبر آئے۔ جنگیں پھر بھی ہوتی رہیں۔ اگر خدا کے سچے بندے زمین والوں کو مطمئن نہ کرسکے تو بقول شاعر مجھ جیسے شیطان کے نمائندے کی ناکامی پر حیرت کیوں ----!"

"یہ کرۂ یاقوت والے بھی تو آپ کے سامنے ہیں۔ کتنی شرافت ہے ان کے رویے میں، کتنے سیر چشم لوگ ہیں ---- انہوں نے کس طرح اپنی فطرت پر فتح حاصل کرلی۔"

"چانس کی بات ہے۔" ہٹلر بولا۔ "زمین والوں کی بدبختی کہ لوگ ہماری راہ میں آڑے آئے۔ اگر ہم دنیا پر قبضہ کرلیتے اور کرۂ ارض پر ہمارا حکم چلتا تو آج نقشہ دوسرا ہوتا ---- انسان کو یہ نکتہ سمجھ میں نہ آیا کہ گلوب کا حاکم ایک ہونا چاہیئے۔ ایک حکومت ہوتی۔ ایک قانون ہوتا۔ ایک معاشرہ ہوتا تو روئے زمین کے باسیوں کی بہت سی محرومیاں ختم ہوجائیں۔ نہ گورے کالے کا احساس پیدا ہوتا، نہ مشرق مغرب کی اصطلاحیں رائج ہوتیں۔ نہ کوئی علاقہ زیادہ ترقی یافتہ کہلاتا اور نہ کوئی علاقہ کم ترقی یافتہ ہوتا۔ بس، صرف اتنی سی بات تھی کہ اقتدار اعلیٰ کے طور پر جرمن قوم کو تسلیم کرلیا جاتا۔"

"بکری دودھ دے مگر مینگنیوں کے ساتھ!" میں اس سے مخاطب ہوا۔ "آپ نے دو چار باتیں اچھی کیں، مگر اچھائی کا تصور بھی مشروط۔ جرمن قوم کی برتری کی بیخ ----! کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ کہتے گلوب کا حاکم کوئی سیاہ فام افریقی ہوتا----؟"

"شاعر! شاعری چھوڑو، حقیقت پسند بنو۔ یہاں سوال سیاہ فام اور سفید فام کا نہیں ہے، ذہانت کا ہے۔ یہ مسئلہ علاقائی کوٹے اور نمائندگی کا نہیں، ٹیکنالوجی کا ہے ---- یہ رستم و سہراب کا دور نہیں، سائنس کا دور ہے۔ دنیا کی قیادت کے لئے مضبوط جسم کی نہیں، مستعد دماغ کی ضرورت ہے اور شائد تم نہیں جانتے کہ قدرت نے یہ امتیاز خطۂ جرمنی کو عطا کیا ہے ----"

"جاپان کو کیوں نہیں، روس کو کیوں نہیں، فرانس کو کیوں نہیں، برطانیہ کو کیوں نہیں اور خصوصاً امریکہ کو کیوں نہیں۔ یہ ممالک ٹیکنالوجی میں جرمنی کے ہم پلہ نہیں، کچھ آگے ہیں ----؟"

"امریکہ کو چھوڑیئے، وہ ایک نودولتی قوم ہے۔ زر و جواہر سے پیار کرنے والی، دوستی کے اقتدار اور دشمنی کی تمکنت سے خالی، ایک بنیا قوم کو دنیا کی قیادت نہیں سونپی جاسکتی ---- رہا انگریز ---- انگریز بیدار اور چوکس قوم ہے، مگر اس کی چوکسی میں عیاری کا عنصر زیادہ ہے، شیر کی موجودگی میں لومڑی کو جنگل کی بادشاہت نہیں سونپی جاسکتی ---- اور فرانس--- فرانس مہذب ملک ہے ---. مگر، پسپا ہونے والی اور نرم خو مخلوق کی اکثریت ہے وہاں، فرانس کی تاریخ سے انقلاب فرانس اور نپولین بوناپارٹ کو نکال دو تو محض فنونِ لطیفہ پر اکتفا کرنا پڑے گا --- اور ظاہر ہے حاکمانہ آن بان کے لئے رقص و سرود کی نہیں، تیر تفنگ کی ضرورت ہوتی ہے --- باقی رہا روس --- تو سائبیریا کے مزاج سے دنیا ویسے ہی خائف ہے۔ زندگی مشین کا پرزہ نہیں کہ جہاں فٹ ہوگیا بس فٹ ہوگیا---- ایک بے رحس سماج دنیا پر مسلط نہیں کیا جاسکتا---- البتہ جاپان میں ایک حد تک جان ہے مگر جرمنی کی طرح تاریخی پس منظر نہیں رکھتا۔ دونوں جی وار قومیں ہیں۔ دونوں کی ذہانت بھی مثالی ہے مگر ملوکانہ فراست میں جرمنی بہت آگے ہے۔ ہم جانتے ہیں

کہ انسان کی ضرورتیں کیا ہیں۔ وہ کس طرح کے سلوک کا مستحق ہے اور وہ کیونکر قابو میں رہتا ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ گلوب کی بدقسمتی ہے کہ اس کی قیادت جرمن قوم کا مقدر نہ بن سکی!"

"ہر ڈکٹیٹر یہی کہتا ہے کہ وہی دنیا کا نجات دہندہ ہے۔" زریں بے زاری سے بولی ——— "چنگیز اور ہلاکو سے پوچھو یہی راگ الاپیں گے۔ تمہارا دوست مسولینی بھی یہی کہے گا ——— کوئی بچھو ایسا ہو گا جس کی دم میں نشتر نہ ہو ———؟"

محسوس ہوا ہم سب ایک حد تک ہٹلر کی باتوں سے بے زار ہو گئے ہیں۔ میں نے کرۂ یاقوت کے فلک بازوں کی طرف دیکھا۔ فوراً" بٹن دب گیا اور ہمیں ہٹلر سے نجات ملی۔



بہتر ہوگا اب ہٹلر کے پڑوسی سے بات کی جائے۔" زریں بولی۔" فرانس کی زمین، جو فنونِ لطیفہ کے لئے مشہور ہے ایک ڈکٹیٹر کے لئے کیونکر سازگار ہوئی۔ ہم نپولین بوناپارٹ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

فلک باز مسکرائے ——— ٹک کی آواز آئی ——— اور نپولین کا چہرہ میکانکی انداز میں دھیرے دھیرے فیڈ اِن ہوگیا۔

یہ نہایت سنجیدہ چہرہ تھا ——— ویسا نہیں جو ہم نے تصویروں میں دیکھا تھا ——— اور ویسے بھی نہیں جو فلموں میں دیکھا تھا۔ یہ تھکا ہوا مضمحل اور شکستہ دل آدمی کا چہرہ تھا ———!

"موسیو!" میں اس اداس روح سے مخاطب ہوا۔ "آپ سے پہلے ہم فرعون اول اور ہٹلر سے مکالمہ کر چکے ہیں۔ ہم ان کے خیالات سن چکے ہیں۔ ہم تاریخِ فرانس کے عظیم کردار کی آرا بھی جاننے کے خواہش مند ہیں۔"

نپولین نے ہم سب کو بجھی بجھی نگاہوں سے دیکھا۔ چند لمحے خاموش رہا جیسے اپنے آپ کو تلاش کر رہا ہو، کچھ توقف کے بعد نہایت بجھے لہجے میں اس کے ہونٹ متحرک ہوئے۔

"دوستو!" وہ نحیف آواز میں بولا۔ "میں عظیم نہیں، ایک ہارا ہوا آدمی ہوں ——— میں نے فرانس کی تاریخ کو ایک ذلت آمیز شکست سے داغدار کیا ہے ——— مَیں نے محض اپنی انا کی خاطر لاکھوں گھر اجاڑے ہیں۔ ہزاروں لوگ محض میری ایک ادنیٰ خواہش کی تکمیل کے لئے کٹ مرے ہیں۔ خدا جانے میں نے کتنی ماؤں بہنوں، بیویوں اور کنواریوں کے احساسات کا خون کیا ہے، کیسے کیسے جذبوں کو روندا ہے۔ کتنے لوگ میری وجہ سے اندھے، لنگڑے اور لُولے ہوئے ہیں ——— کتنے پھول سے بچوں کو ماؤں کی گودوں اور باپوں کی شفقتوں سے محروم کیا ہے ——— مجھے کہنے دیجئے، یہ سب کچھ فرانس کی سربلندی کے لئے نہیں ہوا، بلکہ میرے سینے میں جو ایک ہزار ایک خباثتیں چھپی بیٹھی تھیں۔ ان میں سے صرف ایک خباثت کی کارستانی تھی یہ۔ مَیں دنیا کا عظیم فاتح کہلانا چاہتا تھا۔ اگر اس خواہش کی تکمیل سے فرانس کی تاریخ کی عظمت بن جاتی تو یہ محض ایک اضافی حیثیت رکھتی تھی ——— میرا اقدام محض اظہارِ ذات تک محدود تھا ——— اظہارِ ذات کی یہ خواہش منفی باتوں پر مبنی تھی کیونکہ ہماری اکثر خواہشیں منفی ہوتی ہیں اور ان کا دائرہ تکمیلِ ذات سے آگے نہیں بڑھتا۔"

نپولین کی باتوں سے ہم چونک اُٹھے تھے۔ ضیاء اور رضا بھی متاثر نظر آ رہے تھے۔ زریں ٹکٹکی باندھے یاقوتی گولے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

نپولین نے بات جاری رکھی۔

"میرے خاکی دوستو! خوش قسمت ہو کہ کرۂ یاقوت کے سفر پر نکلے ہو اور

زمین کی فطرت میں پروان چڑھنے سے بچ گئے ورنہ اندر کی ایک ہزار ایک خباشتیں تمہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیتیں اور تمہیں خلاؤں اور آسمانوں میں کہیں پناہ نہ ملتی۔"

"محترم نپولین!" زریں نے پوچھا۔۔۔" ممکن ہے یہ آپ کا ذاتی تجربہ ہو اور انسانی اجتماع پر لاگو نہ ہوتا ہو۔۔۔۔"

"خاتون!" نپولین بے حد نرم لہجے میں بولا۔" انسانی اجتماع تو محض تہذیبی اظہار کا نام ہے' ورنہ اندر سے ہم بکھرے ہوئے لوگ ہیں' ٹکڑے ٹکڑے۔۔ ریزہ ریزہ' ہمارے اندر بہت سے درندے رہتے ہیں جو ہمیشہ چیر پھاڑ جاری رکھتے ہیں ۔۔۔۔ یہ چیر پھاڑ ہماری جبلت ہے۔ ہم یہ چیر پھاڑ جاری رکھ کر ہی زندہ رہ سکتے ہیں کہ ایک کیڑہ' جس کی زندگی گندی نالی سے عبارت ہے ۔۔۔۔ریشم دکمخواب میں کیونکر پنپ سکتا ہے ۔۔۔۔؟

"آپ اس قدر مایوس ہیں' انسان سے؟" زریں حیرت سے بولی۔۔۔۔۔"تم سب نوجوان ہو ابھی' انسانی تضادات کا شعور نہیں رکھتے۔ ہر لمحے بدلنے والی انسانی فطرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ۔۔۔۔کوئی بھروسہ نہیں ۔۔۔۔ہمارا ہر سانس ۔۔۔۔ہمارا ہر لمحہ ۔۔۔۔مصروفِ کار رہتا ہے ۔۔۔ کبھی ہم عملاً" جرم کررہے ہوتے ہیں۔۔ کبھی تصور میں مصروفِ جرم رہتے ہیں۔۔۔ وقت کا ہر جرعہ' ہمارے اندر شر کا بیج ہوتا ہے ۔۔۔یہ بیج پھلتا اور پھولتا ہے اور ہماری روح کی اتھاہ گہرائیوں میں پھیل جاتا ہے ۔۔۔ان اتھاہ گہرائیوں سے ہمیں جو گائیڈ لائن ملتی ہے۔ اس میں روشنی کا کوئی کھمبا نصب نہیں ہوتا۔ ہم اندھیروں میں تیر چلاتے ہیں اور بے مقصد توانائی ضائع کرتے ہیں۔ روزِ اول سے یہی حماقتیں کررہے ہیں!"

نپولین کی باتیں ایک ایک کرکے میرے دل میں اتر رہی تھیں' مگر زریں شائد مطمئن نہ تھی' استفہامیہ لہجے میں بولی۔

"محترم!" آپ کا موجودہ رویہ میری سمجھ میں آرہا ہے۔ آپ کی پشیمانی کا لہجہ بھی مجھے پسند ہے' مگر میں اس سے اتفاق کیسے کروں کہ انسانی سرشت سرتاپا شر ہے ۔۔۔ آخر دنیا میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ نیکی کا تصور بھی موجود ہے۔ انسانی فطرت کی تضادات کو محض خوئے بد تک محدود کیوں کیا جائے ۔۔۔۔؟"

"تم نے غلط نہیں کہا خاتون!" نپولین اسی نرم گفتاری سے بولا۔ "انسانی سرشت میں نیکی کا شائبہ موجود ہے مگر انسانی تضادات کی بہیمانہ طاقتوں کے سامنے بے بس ہے۔۔۔ انسان خوئے وفا سے بھی آشنا ہے' مگر تضادات کے انبار میں سب کچھ دب جاتا ہے۔ انسان محبت جیسی سچائی سے بھی دوچار ہوتا ہے' مگر اغراض کا دائرہ اسے بھی جکڑ دیتا ہے۔

"ہم نہیں جانتے ۔۔۔۔ کہ عہدِ وفا کی عمر کتنی ہے اور رَدِ وفا کا لمحہ کیسے دَر آتا ہے ۔۔۔؟ استقامت کی روشنی کہاں سے آتی ہے اور لغزش کی تاریکی میں کس طرح تحلیل ہوجاتی ہے ۔۔۔؟ بن کیے لاوا اُبلتا ہے اور بن سمجھے لاوا بجھ جاتا ہے ۔۔۔ ہمیں قطعی اختیار نہیں کہ آہوئے تقدیر کو پابہ زنجیر کرلیں' ہمیں قطعاً" اجازت نہیں کہ خوابوں کی کھیتی سے اپنی مرضی کی فصل اٹھاتے رہیں۔۔ ہم بے شعوری میں اوجِ زیست کے مزے لوٹتے ہیں اور جب اوجِ کمال شعور ہوتا ہے تو چاروں شانے چت ہوجاتے ہیں۔۔ یہی وجہ ہے محترم خاتون! جب میں کہتا ہوں کہ انسانی ذہن ایک ہزار ایک حماقتوں کی آماجگاہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان جس لمحے جس کام کو حرفِ آخر سمجھ کر کرتا ہے' وہ درحقیقت حرفِ آغاز ہوتا ہے' کیونکہ ضروری نہیں ہوتا کہ بعد کے آنے والے لمحے کا خمیر بھی وہی ہو جو اس سے پہلے لمحے کا تھا ۔۔۔ یعنی ہر لمحے کا مزاج الگ ہوتا ہے۔ ہر لمحے کا شعور الگ ہوتا ہے ۔۔۔ وقت کے ہر سانس کا خمیر ایک دوسرے سے مختلف

ہوتا ہے۔ اس لئے ہم کیونکہ اٹل رہ سکتے ہیں ـــــ ہم اگر ظلم کرتے ہیں تو یہ
اس لمحے کا تقاضا ہوتا ہے۔ ہم اگر گناہ کرتے ہیں تو یہ اس لمحے کی تحریک ہوتی ہے
ـــــ ہم رحم کرتے ہیں تو یہ اس لمحے کی دین ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں
تقاضائے فطرت ہوتا ہے۔ خوئے جبلت ہوتی ہے۔ ہم وہی کچھ کرتے ہیں ـــــ
ہم وہی کچھ کریں گے جو اس لمحے کا مقدر ہوگا!"

"یعنی رضائے الٰہی ـــــ؟" مَیں نے پوچھا۔

"نہیں۔" نپولین نے جواب دیا۔ "رضائے فطرت کہو' جیسے شیر کی گھن گرج' خرگوش کی ادائے مسکینی' شیر کی چیر پھاڑ کو ہم رضائے الٰہی نہیں کہہ سکتے کہ یہ فعل تو لوائے زیست ہے۔ خرگوش کی عاجزی کو بھی ہم رضائے الٰہی نہیں کہیں گے کہ گھاس کی فطرت میں لہو کی لپک نہیں ہوتی ـــــ جو خون پئے گا خون رلائے گا۔ انسان کا المیہ یہی ہے!"

"گویا آپ کے نزدیک انسان کی فطرت ناقابلِ اصلاح ہے؟" زریں نے پوچھا۔

"ایک حد تک ناقابلِ اصلاح ہے۔"

"اگر آپ سے اتفاق کیا جائے کہ انسان تضادات کا مجموعہ ہے اور ناقابلِ اصلاح ہے' پھر تو وہ قابلِ رحم بھی ٹھہرا کیونکہ تضادات ایک طرح سے تقاضائے بشریت ہیں اور اس کی خوبو بقول آپ کے لوائے زیست ہے ـــــ؟"

"خاتون! اگر میں خدا ہوتا تو شاید دنیا ایسی نہ ہوتی۔ مَیں نہیں جانتا دنیا کیسی ہوتی۔ کم از کم میرا انسان ایک ہزار ایک تضادات کا مجموعہ نہ ہوتا۔ میرا انسان مکمل شخصیت رکھتا۔ یا وہ درندہ ہوتا شیر کی طرح کہ چیرتا پھاڑتا' اس کا شعور محض پیٹ تک محدود ہوتا اور یا وہ خرگوش ہوتا۔ معصوم اور بے ضرر کہ جس کا مسئلہ محض سبزہ اور گھاس ہوتا مگر انسان ـــــ

"پرندوں' درندوں' چرندوں اور دوسرے تمام جانوروں سے مختلف ہے ـــــ وہ بدلتا ہے' ہر آن بدلتا ہے ـــــ اس کے اندر کئی حقیقتیں ہیں مگر اٹل حقیقت کوئی نہیں ہے ـــ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو نہیں پہچانتے ـــــ

"اگر پہچانتے ہیں تو ٹکڑوں ٹکڑوں میں' کبھی ایک روپ میں' کبھی دوسرے روپ میں' ہمارے اندر ایک ہزار ایک آئینے لگے ہیں اور ہر آئینے میں ہم اپنی مختلف شکل دیکھتے ہیں ـــــ اگر یہ تقاضائے بشریت ہے تو پھر یہ دنیا ہمیشہ نامکمل رہے گی ـــ!"

"اگر زندگی دوبارہ ملے تو آپ اس نامکمل دنیا میں جانا پسند کریں گے ـــــ؟" زریں نے پوچھا۔

"ہاں خاتون! میں اس خوبصورت دنیا میں واپس جانا ضرور پسند کروں گا' مگر انسان کے روپ میں نہیں۔ میں خدا سے استدعا کروں گا مجھے چڑیا بنادے کہ چھتوں کی منڈیر پر گھونسلہ بناؤں۔ بلبل بنادے کہ نغمے بکھیرتا رہوں ۔ فاختہ بنا دے ' خرگوش بنا دے 'ہرن بنادے کہ میری فطرت کا ایک رخ ہو ـــــ بس ـــــ انسان نہ بنائے کہ انتشار مسلسل کا عذاب سہتا رہوں!"

بات ختم ہوچکی تھی ۔ ۔ ۔

ہم نے کرۂ یاقوت کے فلک بازوں کی طرف دیکھا۔

وہ حسبِ معمول مسکرا رہے تھے اور سمجھ گئے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ سوئچ آف ہوگیا۔ نپولین کا تھکا ہوا چہرہ یاقوتی گولے سے غائب ہوگیا ـــــ ضیاء نے پوچھا۔ "اب کتنا سفر باقی ہے؟"

"سفر بہت طویل ہے۔" فلک باز بولا۔ "جب آپ تھک جائیں ہمیں اشارہ

کردیں ہم آپ کو سلادیں گے اور پھر اس وقت جگائیں گے جب آپ کرۂ یاقوت پر اترنے والے ہوں۔۔۔"

"نہیں۔۔!" مَیں نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا۔" مَیں بہت چاق وچوبند محسوس کررہا ہوں۔ نہایت سبک، میرا خیال ہے اس کیفیت میں مَیں مہینوں جاگ سکتا ہوں۔"

"میری بھی یہی کیفیت ہے۔" زریں بولی۔"جب سے آنکھ کھلی ہے مَیں انتہائی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہوں۔"

"خود ہم دونوں بھی۔" ضیا اور رضا نے ہماری تائید کی۔

"یہ سب قطرۂ حیات کے مرہونِ منت ہے۔" فلک باز بولا۔ "اب آپ کی انرجی کبھی ضائع نہ ہوگی۔ آپ کی طاقت اور قوتِ برداشت کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم ہوچکا ہے۔"

"مگر ایک چیز ابھی باقی ہے۔" مَیں نے اس کی بات کاٹی۔ "ہماری فطرت ابھی زمینی ہے۔ مَیں نے فرعون، ہٹلر اور نپولین تینوں کی باتوں سے الگ الگ اثر لیا ہے۔ ثمرین کی محبت کا چراغ میرے دل میں اسی طرح روشن ہے۔"

ضیاء، رضا اور زریں تینوں نے اپنے اپنے رنگ میں میری بات کی تائید کی۔

فلک باز نے کہا۔ "آپ کی فطرت وہی رہے گی ---- زمینی --- جب تک آپ اس عمل سے نہیں گزرتے جس سے ہم سب گزر چکے ہیں۔ وہی پانچ منٹ کا عمل، کہ آپ کو مخصوص کمرے میں بند کردیا جائے۔ آپ پگھل جائیں اور پانچ منٹ بعد آپ کی شکل ہی نہیں، آپ کی روح بھی کندن ہوجائے۔"

"مَیں تو شاید اس عمل سے گزرنا پسند نہیں کروں گا ---- مَیں نہیں چاہتا کہ یہ عمل میری فطرت کو اس سانچے میں ڈھال دے کہ ثمرین کی محبت ہی میرے

وجود میں نہ رہے۔"

"شاعر! ہماری جنت میں پہنچ کر آپ ثمرین کی محبت بھول جائیں گے۔ ثمرین کی جگہ ہم آپ کو ایک لاکھ ایک محبتیں فراہم کریں گے۔"

"ثمرین کے بغیر کوئی جنت، جنت نہیں ہوسکتی۔ جنت دراصل وہی ہوگی جہاں میرے ساتھ ثمرین ہوگی۔ رہی آپ کی ایک لاکھ ایک محبتیں، تو بخشش کی ہوئی محبتیں شاید مجھے راس نہ آئیں۔ محبت تو ایک شاعرانہ کیفیت کا نام ہے۔ آپ مجھے کمپیوٹر بنا کر اس شاعرانہ کیفیت سے محروم کردیں گے ---- یہ مجھے منظور نہیں۔"

"شاعر! کبھی ہم لوگ بھی آپ ہی کی طرح سوچتے تھے اور کرۂ ارض کے باسیوں کی طرح جذباتی ہوتے تھے --- لیکن شاہِ یاقوت کی نوازشیں کہ محض پانچ منٹ کے عمل میں ساری حماقتیں جھڑ گئیں۔"

"نہیں فلک باز! آپ اسے حماقتیں نہیں کہہ سکتے۔ جذباتی رویے کی بھی اپنی ایک شان ہوتی ہے۔ ایک کیفیت ہوتی ہے۔ جذباتی سچائیوں کی جھلک دیکھنی ہو تو ایک نظر لیلےٰ کو دیکھ لو۔۔۔ اور محسوس کرو کہ محبت کیا ہوتی ہے اور محبت کی لذت آفرینیاں کیا ہوتی ہیں ----"

"ہاں فلک باز۔" زریں نے میری تائید کی۔"ہم لیلےٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس سے دو باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

فلک باز تائیدی انداز میں مسکرائے۔

ایک بار پھر ہماری نظریں یاقوتی گولے پر جم گئیں۔

دنیائے محبت کا ایک لازوال کردار یاقوتی گولے میں نمودار ہوگیا تھا ---- دخترِ محبت مسکرا رہی تھی۔

ایک معصوم لڑکی تھی ------جو حیرت اور مسرت کی ملی جلی لطیف کیفیت میں ہم سب کو دیکھ رہی تھی۔

زریں روح کی ساری محبت سمیٹ کر اس سے مخاطب ہوئی۔

"محبت کی دیوی! ہم تجھے سلام کرتے ہیں۔"

لیلےٰ ہنس پڑی ۔ یاقوتی گولے کی قسمت جاگ اٹھی۔ یہ جادوئی اور والہانہ ہنسی تھی ------ غالباً" مجنوں اسی ہنسی کا قتیل تھا۔

"قیس کے دیس سے آئے لگتے ہو۔" لیلیٰ کی نقرئی آواز آئی۔"قیس کی خوشبو آرہی ہے مجھے ----!"

"ہاں!" زریں نے اسے جواب دیا۔" ہم اسی دیس سے آئے ہیں لیلےٰ مگر یہ تو بتا' اتنی صدیاں گزر گئیں ' قیس کو نہیں بھولیں آپ؟"

"بھولنے کی بھی خوب رہی۔" وہ اسی ملکوتی مسکراہٹ سے بولی۔ "اور صدیاں کونسی گزریں۔ قیس ہر لمحہ میری روح میں رواں دواں ہے۔"

"آپ کی زبان سے جو پہلا لفظ نکلا وہ قیس تھا-------؟"

"اس کائنات میں قیس کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔ ذکرِ قیس کا فسانہ نکال دو تو زمین کے دامن میں کیا رہ جائے گا باقی ----!"

"کیا اس کے سوا کوئی سچ نہیں ہے زمین پر؟" مَیں نے پوچھا۔

"محبت کے سوا دنیا میں اور کونسا سچ ہے ---- آپ نے تاریخ پڑھی ہوگی۔ آپ کا واسطہ انسانوں سے رہا ہوگا۔ ماں باپ' بہن بھائی'دوستوں'رشتہ داروں کو دیکھا ہوگا----سب ناتے اپنی جگہ ----مگر قیس اور لیلےٰ سے بڑا ناتا انسانی تاریخ میں نہیں ہوگا ---- یہ ناتا پنپتا ----تو آج زمین کی تاریخ کچھ مختلف ہوتی -----پھر لہو بہنے کی تاریخ نہ لکھی جاتی۔ لہو کی جیت کی تاریخ رقم ہوتی

----!"

"آپ کا مطلب ہے۔ قیس اور لیلےٰ کو جدا کرکے زمین والوں نے اچھا نہیں کیا----؟"

"قیس اور لیلےٰ جدا کب ہوئے ہیں۔ احساس کا میل بھی الگ ہوا ہے کبھی۔ قیس تو ایک نور تھا جسے خدا نے محبت کا نام دے کر زمین پر بھیجا تھا۔ زمین والوں کی بدقسمتی 'کہ محبت کو پہچان نہ سکے اور منور ہونے سے محروم ہوگئے ----"

"یعنی آپ خوش ہیں۔ برزخ کا یہ وقفہ بھی آپ کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا----؟" مَیں نے پوچھا۔

"مَیں محبت ہوں دوستو! میرے لئے ابتدا اور انتہا کوئی معنی نہیں رکھتے۔ وقفے کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے ----- مَیں ہوں اور رہوں گی'میرا نام لیلےٰ ہے۔ قیس بھی میرا نام ہے۔ مَیں روزِ ازل سے ہوں۔ روزِ حشر تک رہوں گی۔ حشر کے بعد بھی رہوں گی۔ مجھے فنا نہیں ہے۔ مَیں خدا کا روپ ہوں!"

"خدا کا روپ؟"

مَیں نے ہولے سے کہا اور فلک بازوں کی طرف دیکھا جو خود کو مکمل کہتے تھے 'جنہیں حشر کا انتظار نہیں تھا اور جن کی تکمیل ہوچکی تھی۔

"آپ نے محبت کو خدا کا روپ کہہ دیا۔" رضا بولا۔ "مگر ارضی منطق اسے محض جنسیت کہتی ہے۔"

"محض جنسیت کے کیا معنی!" لیلےٰ حیرت سے بولی۔" آپ محور کو محض کہتے ہیں۔ فطرت کے سب سے خوبصورت ' سب سے انمول عطیے کو اس قدر محدود معنی دیتے ہیں ---- ایسے لذت آفریں احساس کو محض جنسیت کہتے ہیں ----محبت کے سچے جذبے کو انسان کے سینے سے نکال دو' تو وہ [illegible] غار کی

طرف جائے گا۔ آپ نے قیس کی آنکھوں میں نہیں جھانکا کہ لیلیٰ سامنے ہو تو ساری خدائی سمٹ آتی ہے اس کی پتلیوں میں ----اس کی تو پور پور سے محبت کی شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ قیس کا ہر مسام آنکھ ہوتی ہے۔ اگر جسم میں ایک کروڑ مسام ہیں تو وہ ایک کروڑ آنکھوں سے لیلیٰ کو دیکھتا ہے--- اور اگر جسم میں ایک ارب مسام ہیں تو وہ ایک ارب آنکھوں سے محوِ دید ہوتا ہے ---- جنس عطائے خداوندی ہے جس کی تردید نہیں ہو سکتی---"

رضا نے بات آگے بڑھائی۔

"ہم اسے جز سمجھتے تھے آپ نے اسے کل بنادیا۔"

"ہاں ---محبت کل ہے۔ شجر کے پھولوں کی طرح' برفانی چوٹیوں کی طرح' خنک ہواؤں کی طرح' چمکتی دھوپ ایسی ٹھنڈے پانیوں کے چشمے جیسی ہے۔محبت ایک ایسی مسرت ہے کہ کائنات کی کوئی دوسری مسرت اس کے ہم پلہ نہیں۔ دوسری ساری مسرتیں جز ہیں۔ محبت کی مسرت کل ہے۔"

ہم مرعوبیت سے اس معصوم لڑکی کی باتیں سن رہے تھے۔

"شاید الفاظ میں وہ آہنگ نہ ہو کہ محبت کی صداقت کا مفہوم اجاگر ہو سکے۔"

لیلیٰ نے بات جاری رکھی ---- "محبت کا ذائقہ محبت کرنے والے جانیں --- دنیا کا سب سے حسین ذائقہ ' ایسا ذائقہ جس کا کوئی بدل نہیں ----

"محبوب کے ہاتھوں کا ذرا سا لمس زبان کے ایک ہزار لذیذ ترین ذائقوں سے ارفع' محبوب کی آنکھوں کی ایک ذرا سی لرزش' تاج شاہی پر بھاری ' محبوب کی زبان سے اقرارِ محبت کا ایک لفظ ---- دنیائے موسیقی کی ہر آہنگ سے سوا ----محبت کا ذائقہ صرف جسم تک محدود نہیں ہوتا۔ روح بھی سرشار ہوتی ہے ----میں کیا بتاؤں ---- کہ میں اپنی روح کی ہم کلامی سے کس کس رنگ میں

لطف اندوز ہوتی رہی ہوں ---- قیس کا تصور ہوتا۔ چودھویں کا چاند ہوتا اور ریگستان کی رات ہوتی ---- ریگستان کی پہنائیوں میں چودھویں کے چاند کی بکھری ہوئی چاندنی میں جو طلسم ہوتا ہے وہ لیلیٰ سے پوچھو ----ریگ رواں کے ایک ایک ذرے میں قیس کا ظہور ہوتا ----تاحدِ نظر نور کی بکھری ہوئی چادر پر میری روح اٹکھیلیاں کرتی' رقص کرتی' جھومتی' تڑپتی' آہ و فغاں سے سرشار افق در افق کی مہک لاتی ----اس مہک میں قیس کے سانسوں کی خوشبو رچی بسی ہوتی---- اور مجھے محسوس ہوتا کہ دنیا میں صرف قیس کا وجود ہے۔ صرف لیلیٰ بستی ہے -----سورج اس لئے طلوع ہوتا ہے کہ لیلیٰ اور قیس کی محبت کے پرتو سے فیضیاب ہو ---چاند اس لئے طلوع ہوتا ہے کہ جو کچھ سورج سے بچ جائے اس سے دامن بھرلے ---- دوستو! کائنات کا سارا دم خم' ساری تپ و تابِ وجود محبت سے عبارت ہے۔ ان سر بفلک پہاڑوں کے کیا معنی' یہ محبت کے تئیں پہچانے جاتے ہیں۔ دریاؤں' سمندروں کے سینوں پر چہل قدمی' خوشبوئے محبت کے رہین منت ہے۔ وجود وزن از خود دلیل محبت ہے۔ کائنات کے کسی گوشے میں جھانکئے' چرند ہو کہ پرند ہو کہ درند ہو گرفتار اصول محبت ہے ----

"خود سری ہے تو محبت کے لئے' غلامی ہے تو محبت کی خاطر' سرکشی محبت کی شان' خاکساری محبت کی ادا' بغاوت محبت کی آن' وفا محبت کا زیور' محبت ہی رہائی' محبت ہی اسیری' محبت کو زمین سے اٹھا دو تو ظلمتیں دھاوا بول دیں گی۔ پھر نہ سورج ہو گا نہ زمین اپنے محور پر گھوم سکے گی ----نہ فلک ہو گا' نہ پاتال ہو گا' پھر نہ ختم ہونے والی تاریک رات حیات کو ہڑپ کرلے گی اور ارض و سماء پر مہیب سناٹے کا راج ہو جائے گا!"

ہم سب دم بخود تھے۔

اور اس چھوٹی سی، ننھی سی لڑکی کو محبت، حیرت اور استعجاب سے دیکھ رہے تھے، جو محبت کے خدا کی تخلیق تھی اور الہامی باتیں کر رہی تھی۔ مَیں شاعر تھا پہلی بار محسوس کر رہا تھا کہ محبت کی زبان کیسی ہوتی ہے۔ مَیں جو اپنے شعروں کو الہامی سمجھتا تھا، آج جان گیا تھا کہ الہام کس طرح اترتا ہے۔

زریں خاموش تھی۔ عقیدت اور گرویدگی سے یاقوتی گولے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ ضیاء اور رضا جو مابعد طبیعاتی زندگی پر کم کم یقین رکھتے تھے، محبت کے طلسم میں گھر گئے تھے اور اب محبت کے تئیں زندگی سے متعارف ہو رہے تھے۔

لیلےٰ کی باتوں سے ایک بار پھر میرا رابطہ زمین سے ہوگیا تھا۔ ثمریں مجھے بے طرح یاد آرہی تھی اور میں کرۂ یاقوت کے سفر سے لاتعلق ہوگیا تھا۔ فلک باز نے ہماری مرعوبیت اور خاموشی کے معنی سمجھ کر بٹن دبایا اور اگلے لمحے لیلےٰ کا خوبصورت تبسم نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

زریں چونکی۔ اس کا طلسم ٹوٹا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت و یاس اور چہرے پر شدید کرب کا احساس تھا۔ اس نے خالی خالی نظروں سے فلک بازوں کی طرف دیکھا۔ ضیاء اور رضا کو دیکھا اور پھر نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ مگر یہ معنی سے خالی نگاہیں تھی۔ کم از کم میرے لئے اس میں کوئی معنی نہیں تھے۔ ان نگاہوں میں معنی تھے مگر یہ اس کی اپنی کہانی تھی اپنی بے سروسامانی کی کہانی، اپنی بے مائیگی کا احساس۔

"شاعر!" وہ لرزتے لہجے میں بولی۔ "آبِ حیات کا قطرہ حلق سے اترنے کے باوجود مجھے زمینی رشتوں کا دکھ ستا رہا ہے۔ مَیں کتنی بدنصیب ہوں کہ زمین سے خالی ہاتھ جا رہی ہوں، مَیں نے کیوں دیر کردی محبت میں، مجھے اپنے خوابوں کا شہزادہ کیوں نہ ملا، مجھے میرا قیس کیوں نہ ملا، کیوں نہ ہُوا میرا اور اس کا سامنا ----؟ میں لیلےٰ کی طرح سیر چشم کیوں نہ بن سکی ----؟ عورت جو از خود دلیل محبت ہے، محبت سے محروم کیوں رہی ----مَیں جو علامت محبت ہوں، اپنی پہچان کیوں نہ کراسکی ----لیلےٰ کو دیکھو ---پندرہ سولہ برس کی معصوم لڑکی۔ اور پوری کائنات کو اپنے دامن میں سجائے بیٹھی ہے ---اور...... مَیں نے زمین پر اٹھارہ برس ضائع کردیے ----زندگی امر ہوگئی ---اس کا کوئی احساس نہیں ----مگر زمین کے اٹھارہ برسوں کے ضائع ہونے کی تلافی نہیں ہوسکتی ----کتنی بدقسمت ہوں مَیں، شاعر!"

"اور خود مَیں۔" مَیں نے اپنے دکھ کا اظہار کیا۔ "مَیں، کہ جسے محبت ملی اور کھو گئی ----میرا درد آپ سے سوا ہے ----مَیں نے محبت کا ذائقہ چکھا ہے ----یہ مجھ سے پوچھیے کہ کیا پاکر کیا کھویا ہے ----میرا دکھ تو پہلے سے بھی سوا ہے، لیلےٰ اور مجنوں نے ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کی، پھر----؟ پھر بچھڑ گئے اور مر گئے ----کہانی کار نے ان کی کہانی لکھ کر شہرت دوام بخش دی ----اب ان کی روحیں روزِ قیامت کی منتظر ہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے میں تحلیل ہوجائیں ----انتظار کی یہ کیفیت بجائے خود ایک دولت ہے، لیکن وہ جو مل کر بچھڑ گئے اور زندہ بھی رہے ----زندہ بھی یوں کہ ان میں سے ایک جیون امرت پی کر امر بھی ہوگیا ----اور دوسرے کو معلوم نہیں، مَیں ہوں کہاں، اب وہ زندگی کو کس سمت سے پکڑے گی ----؟ اور مَیں، جسے زبردستی امر بنا دیا گیا ہے۔ ثمریں کو کہاں تلاش کروں گا ----کیسے پاؤں گا اسے؟ اور پھر سوچو زریں! ثمریں نہیں ملتی، ثمریں تک نہیں پہنچ سکتا تو یہ امر جیون کس کام کا ----اس بوجھل طویل زندگی کو کیا کروں گا مَیں ----؟ تم بتاؤ فلک بازو! اس مشقِ ستم کے کیا معنی ----؟ تم مجھے کرۂ یاقوت سے آگے بہت آگے لے

جاؤ' ثمریں کا خیال میرے سینے میں محفوظ رہے گا۔ زمین کا رابطہ چھین کر تم لوگوں نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا دوستو ----؟"

فلک باز نہایت ملائمت سے مسکرائے۔ ان میں سے ایک اسی ملائمت سے بولا۔ "میرے ارضی دوستو! جذبہ اور احساس قابلِ نفریں نہیں ہے۔ ہم جذبے اور احساس کو رد بھی نہیں کرتے' ہم انسانی احساسات و جذبات کی ایک حد تک آزادی کے بھی قائل ہیں' مگر ہم مکمل طور پر جذبے اور احساس کی بھٹی میں جل مرنا پسند نہیں کرتے ----شاہِ یاقوت کل کائنات میں نظم و انضباط کا دور دورہ پسند کرتے ہیں ---- پروانہ اگر شمع پر مرتا ہے تو ہم اس کی اس ادا کو داد نہیں دیتے---- ہماری خواہش ہے کہ پروانہ اپنی دیوانگی کو فرزانگی میں بدل دے۔ شمع کی لَو' اسے جلا کر خاک کردیتی ہے ۔ ہم اس لَو کو پروانے کے سینے میں روشن رکھنا چاہتے ہیں۔ روشنی اس لئے نہیں ہوتی کہ اس سے آنکھیں چار کرکے بینائی سے ہاتھ دھو لیا جائے بلکہ روشنی سے انسان کے اندر کے اندھیروں کو دور کرنا چاہیئے۔"

"آپ کا مطلب ہے۔" میں نے پوچھا۔ "گویا پروانے کی فطرت کوئی چیز نہیں ہوتی؟"

"فطرت کتنی بھی بڑی چیز ہو' شعور سے بڑی چیز نہیں ہوتی۔" فلک باز بیحد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "انسانی شعور کو کائنات کی ہر شئے پر حاوی ہونا چاہیئے اور وہ دن ضرور آئے گا جب شعور فطرت کو زیر کرلے گا۔"

"آپ کہنا چاہتے ہیں۔" زریں بولی۔ "کہ کرۂ یاقوت والوں نے فطرت کو فتح کر لیا ہے ----؟"

"میرا خیال ہے ہم یہ کام کرچکے ہیں کیونکہ ہم نے اپنے کرّے سے فطری پیدائش اور فطری موت کی اصطلاحیں ختم کردی ہیں۔ ہم کائنات کے اس دور میں داخل ہوچکے ہیں کہ نہ فطرت ہمیں پیدا کرسکتی ہے نہ مار سکتی ہے ---- موسم ---- جسے آپ قدرت کے کھیل سمجھتے ہیں ----ہم نے اس کھیل میں بھی قدرت کو ہمنوا بنا لیا ہے۔ ہم جہاں چاہیں بادل اگا دیتے ہیں اور جہاں چاہیں بارش برسا دیتے ہیں ----ہم چاہیں تو سردی کو حکم دیں کہ نظر نہ آنے والی دیوار سے ادھر نہ جھانکو۔ اور وہ حکم کی تعمیل کرے گی ----ہم نے گرمی کو بھی اپنے منطقے میں داخلے کی اجازت نہیں دی۔ ہم نے قدرت سے ایسا سمجھوتہ کر لیا ہے کہ وہ من مانی نہیں کرتی ----ہمیں جتنی حرارت کی ضرورت ہوتی ہے' سورج دیوتا مہیا کردیتا ہے۔ اس کے لئے نہ درخواست گزارنا پڑتی ہے اور نہ جنگ لڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بس یہ شاہ یاقوت کا فطری نظام ہے جو ایک لمحے کے لاکھویں حصے میں بھی جاری و ساری ہے۔"

یعنی جو کچھ ہے' سائنس ہے۔ زندگی کا باقی ہر رویہ بے معنی ہے ؟ "ڈاکٹر ضیاء نے پوچھا۔

"اگر آپ کرۂ یاقوت کے لوگوں کو مثال بنانا پسند کریں گے' تو سائنس کی برتری بھی تسلیم کریں گے۔" فلک باز نے جواب دیا۔ "آپ دیکھ رہے ہیں ہم نے قطرۂ حیات تخلیق کرکے انسان کی بے پناہ پھیلی ہوئی ضرورتوں کو سمیٹ لیا ہے ---- ہم نے انسانی ذہن کے شر کو بیک عمل کرۂ یاقوت سے نکال باہر کیا ہے۔ ہم نے انسان کی جنسی خواہشات کی تکمیل کا ایسا نظام مرتب کیا ہے کہ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں رہی' اور نہ کسی کے دل میں محرومی کا احساس پیدا ہو سکتا ہے ---- وہاں ان گنت لیلائیں ہیں اور ان گنت ثمریں' ایک سے ایک حسیں' ایک سے ایک بے مثال' جو من کو بھا جائے وہی آغوش میں' ایسی حیات ----کہ جسمانی تکلیف سے ناآشنا ہو ---- ایسی حیات کہ شکم کے ہوس کا قلع قمع کردے' ایسی

حیات کہ جنگ کا تصور ختم کردے ----اور ایسی حیات ---- کہ انسانی خواہشات کو سمیٹ لے۔ سائنس کی ہمہ گیری پر صاد نہیں کرتی ----؟"

"بے شک کرتی ہے۔" ڈاکٹر بولا۔ "سائنس عظیم ہے۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں لیکن انسانی امنگ کے مقابلے میں آپ کے پاس کیا ہے۔ تکمیل کے بعد آپ کسی چیز کی کمی محسوس نہیں کرتے ----؟"

"پھول کھلتا ہے اور پھر ایک ایک کرکے اس کی پتیاں بکھر جاتی ہیں۔ ہم اسے تکمیل نہیں کہتے۔ پھول سدا کھلا رہے۔ اس کی مہک ہمیشہ قائم رہے۔ اس کی پتیوں کا رس ہمیشہ تازہ رہے۔ ہم ایسی تکمیل کے قائل ہیں ----پھول کی نہ ختم ہونے والی تازگی اور مسکراہٹ کو آپ امنگ سے کیونکر خالی کہہ سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر ضیاء خاموش ہوگیا۔ وہ فلک بازوں کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

دراصل ہم سب کا یہی عالم تھا۔ ہم محض سوال کرسکتے تھے۔ ہم سوال کر رہے تھے۔ سوال کرتے کرتے ایسا موقع ضرور آتا کہ ہمارے پاس سوال ختم ہوجاتے اور ہمارے شعور کی روشنی ماند پڑ جاتی ----اور ہم فلک بازوں کے سامنے بے بسی محسوس کرتے --- ہمیں احساس ہوتا کہ ہم ارضی لوگ ان سے پیچھے' بہت پیچھے ہیں۔ لیکن۔۔۔۔ انسانی انا کا کیا علاج کہ شکست در شکست کے باوجود ہم ان سے کسی نہ کسی پہلو الجھے ہی رہتے۔

اڑن طشتری کا اندرونی موسم نہایت خوشگوار تھا۔

ہم جس پوزیشن میں بیٹھے تھے لگ بھگ تین ماہ ہو رہے تھے۔ ہم مسلسل جاگ رہے تھے مگر نہ تھکاوٹ کا احساس تھا' نہ نیند کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اور نہ کھانے پینے کی طرف دھیان جاتا تھا۔ ہم بے حد سبک محسوس کر رہے تھے اور سرخوشی کا عالم طاری تھا۔ دور نزدیک جو سیارہ بھی نظر آتا فلک باز ہماری توجہ اُدھر مبذول کراتے۔ ہم حیرت و استعجاب اور خوشی سے ان سیاروں کو دیکھتے اور ان کے متعلق سوال کرتے مگر جس سیارے کی ہمیں تلاش تھی وہ نظروں سے اوجھل ہوچکا تھا۔ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

ثمریں اسی سیارے میں رہ گئی تھی----!

زریں کو جب کوئی بات اور نہ سوجھی تو بولی۔ "آپ ہمیں گوتم بدھ سے ملوا دیجئے۔"

فلک بازوں نے اثبات میں سرہلایا۔ ایک بار پھر ہماری نظریں یاقوتی گولے پر جم گئیں۔ دو چار لمحوں میں روئے زمین کے ایک عظیم انسان سے شرف تکلم ہوا چاہتا تھا۔ گو میں بدھسٹ نہیں تھا مگر کپل دستو کے اس عظیم سپوت کی عظمت کا دل سے قائل تھا۔

مَیں زمانہ طالب علمی میں بھی اس کی شخصیت سے مرعوب تھا۔ ایک راجکمار' جسے دنیا کی ہر آسائش حاصل تھی' نروان کی خاطر ہنستی بستی دنیا چھوڑ کر جنگل میں جا نکلا ----اور اب' وہ یکتائے زمانہ شخص یاقوتی گولے میں نمودار ہوگیا تھا۔ مجسّموں اور تصاویر سے اس کا جو تصور بنتا تھا' وہ بالکل ویسا ہی تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گیان دھیان میں ڈوبا ہُوا تھا۔

ہم سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ فلک باز مسکرا رہے تھے اور ہماری مرعوبیت سے محظوظ ہو رہے تھے۔

زریں نے سرگوشی کی۔ "شاعر! آپ مہاتما جی سے بات کیوں نہیں کرتے----؟"

میری ہمت نہیں پڑتی تھی کہ سمندر کی سی اتھاہ گہرائیوں جیسے سکوت کے طلسم کو توڑوں ---- مگر معلوم ہُوا کہ زریں کی سرگوشی مہاتماجی نے سن لی ہے'

کیونکہ اگلے لمحے انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ یہ آنکھیں عجیب آنکھیں تھی۔۔۔۔۔ ایسی آنکھیں جو رو رو کر بالکل خشک ہو چکی تھیں اور ان میں آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا تھا۔

"بچو۔۔۔۔! مہاتماجی نحیف آواز میں بولے۔۔۔۔۔"یہ اچھے لوگ ہیں جن کے تم ہمسفر ہو لیکن چار پرشوں کے سکھ سے دھرتی کے دکھ کم نہیں ہوجاتے۔ سمندر سے چار قطرے اٹھ جائیں، تو اس کا کھارا پانی میٹھا نہیں ہوجاتا۔۔۔۔!"

"مہاتماجی! ہم نے اپنی مرضی سے دھرتی کو نہیں چھوڑا۔ ہم اپنے ارادے سے اس سفر پر نہیں نکلے۔ ہمیں کوئی سکھ ملا ہے تو اسے زبردستی کا سکھ سمجھ لیجئے۔"

"شاعر! اگر قسمت نے تجھے سکھی بنا دیا ہے تو میں اسے رو نہیں کرتا مگر یہ انفرادی سکھ ہے۔ فرد کے سکھ سے دھرتی کا روگ دور نہیں ہوگا۔"

"مہاتماجی! آپ نے نروان پالیا تھا۔ کیا آپ کی شکتی بھی دھرتی کے روگ سے ہار گئی۔۔۔۔۔؟"

"ہاں میرے بچے! میری شکتی ہار گئی۔ میں اپنی آتما کو پا کر یہی سمجھتا تھا کہ بنی نوع انسان کی آتما کو پا گیا ہوں۔۔۔۔۔ لیکن یہ میری بھول تھی۔ تب بھی بے روح انسانیت کا چرچا تھا اور اب بھی بے روح سماج کا دور دورہ ہے۔ انسان کے کج کو مذہب دور نہیں کرسکا، سماج دور نہیں کرسکا۔ قانون اخلاق بے بس رہا۔ توپوں کے گھن گرج، جنگوں کا خوف، آتما کو شل کردینے والے احساس نے جیون کو پراگندہ کردیا ہے۔۔۔۔۔ روحانی ترقی رک چکی ہے، میرے بچو! فطرت کی فتح اور فطرت پر فتح، یہ یدھ ابھی جاری ہے اور زندگی فنا کی طرف بڑھ رہی ہے۔۔۔۔!"

"مہاتماجی! آپ تو بھگوان کے اوتار تھے۔ آدھی سے زیادہ دنیا نے آپ کو مانا۔ آج بھی آدھے سے زیادہ مشرق آپ کی پوجا کرتا ہے۔ پھر بھی آپ اس قدر مایوس ہیں۔۔۔۔؟"

"میرے بچے! تم شاعر ہو۔ شعر کہنا ذہانت کا اضافی پہلو ضرور ہے، مگر آج تک شعر نے انسانی عمل میں وہ کردار ادا نہیں کیا جسے پیمبرانہ عمل کہا جاسکے۔ انفرادی طور پر شاید یہ پیمبرانہ عمل بھی ہو، مگر اجتماعی طور پر بے نتیجہ ہی رہا۔۔۔۔ میں بھی تمہاری طرح بے بس انسان ہوں۔۔۔۔۔ بھگوان سے میرا سامنا کبھی نہیں ہوا ورنہ تو آج شاید میں خود کو اتنا کمزور نہ پاتا۔۔۔۔۔ البتہ میری آتما میں ایک چھوٹا سا بھگوان ضرور موجود تھا جیسا کہ ذہانت کا ایک اضافی پہلو تمہارے سینے میں موجود ہے۔ میری طرح اور بھی انسانوں کے سینوں میں اس طرح کے چھوٹے موٹے بھگوان بنتے بستے چلے آئے ہیں۔ جنہوں نے دھرتی کی بھلائی کے لئے سوچا۔ ان اچھے آدمیوں نے اپنی اپنی ذہانت کے مطابق سماجی سائنس کو فروغ دیا۔۔۔۔ عارضی طور پر لوگ ان سے متاثر بھی ہوئے، مگر بہت جلد لوگ ان سماجی قوانین سے اکتا بھی گئے۔۔۔۔۔ بظاہر وہ سماجی اقدار کے حلقہ بگوش رہے مگر، ان کی آتماؤں میں اس کا احترام نہیں تھا۔۔۔۔۔ انسان نے ہمیشہ دوہری زندگی گذاری۔۔۔۔۔ ایک وہ، جسے وہ خود پسند کرتا ہے اور دوسری وہ، جو سماجی سائنس نے اس پر تھوپی۔۔۔۔"

"مہاتماجی! آپ نے اتنے برس دکھ جھیلا، کیا اس کا بدل یہی تھا کہ آج آپ بھی اسی طرح دکھی ہیں۔۔۔۔؟"

"ہاں میرے بچے! میں اپنی آتما سے ہمیشہ یہی سوال کرتا ہوں کہ وہ روشنی جو میری آتما میں در آئی تھی، دھرتی کے دوسرے انسانوں کے سینوں میں کیوں نہ پہنچی۔ اگر پہنچی تھی۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔۔ نسل در نسل منتقل کیوں نہ ہوئی۔۔۔۔۔ آج بھی آنکھیں بند کئے اس سوال کا جواب تلاش کر رہا ہوں کہ میری بھگتی عقل

انسانی کا ظہور تھا یا میری آتما کی سچی صدا ----؟ جو بھی تھا۔ عروجِ شعور کی کہانی یا آدرشوں کے سپھل ہونے کا لمحہ -----' مگر سچائی سے خالی نہیں تھا تو پھر دھرتی کی روحانی ترقی کیوں رک گئی -----؟ کیوں انسانی ذہن سے حسد و ہوس کا زنگ نہ اتر سکا؟ کیوں ہماری آتمائیں بیمار ہیں؟"

"مہاتماجی! ہوسکتا ہے جسے آپ عروجِ شعور کی کہانی کہتے ہیں' وہ ابھی ادھوری ہو اور تکمیل ذات کے مغالطے میں سچ کی باز یافت بھی ایک وہمہ ہو؟"

"شاعر!" مہاتماجی کی آنکھیں ایک لمحے کے لئے سکڑ گئیں مگر دو چار لمحوں کے بعد وہ اصلی حالت میں آگئے۔ "میرے بچے! تم بیسویں صدی کے آدمی ہو۔ تمہارا شعور بہت آگے نکل چکا ہے۔ میں تم سے اتفاق کروں نہ کروں ----- ممکن ہے تمہارا خیال صحیح ہو-- باایں ہمہ کیسے تسلیم کرلوں کہ انسان سے مہر و محبت کا سبق غلط بھی ہو سکتا ہے ----- تم جانتے ہو میں کیا تھا۔ ایک بہت بڑی ریاست کا راجکمار ----- میرے جیون میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی مگر کسی کمی کا احساس ضرور تھا----- یہ شُدھ بدھ بھی نہیں تھی کہ اس احساس کو گرفت میں لے سکتا' مگر محسوس کرتا تھا کہ میری آتما میں کوئی نہ کوئی خلا ضرور ہے۔ میں دیکھتا تھا کہ انسان سے رحم دلی اور نیکی سے پیش آنے کی تلقین عام ہے' لیکن میں یہ بھی دیکھتا تھا کہ رحمدلی اور محبت کی تلقین کے باوجود عملی طو رپر انسان کا رویہ بالکل مختلف ہے ----- تلقین اور عمل کا یہ تضاد میری سمجھ میں کبھی نہ آیا۔ اس کے بَرعکس میں نے سوچا انسان کی آتما کو کس طرح تربیت دی جائے کہ وہ ایک دوسرے سے مہر و محبت سے پیش آئیں۔ کیا کوئی ایسا سماج آسکتا ہے کہ انسان کے ناتے کی بنیاد پیار اور صرف پیار ہو؟ اے میرے پیارے بچے! کیا پیار کے بغیر کوئی شے آفاقی ہوسکتی ہے ---- ؟ کیا پیار جیسی آفاقی سچی اور حقیقی چیز کو میں وہمہ قرار دے سکتا ہوں ؟ کیا پیار کے روحانی عرفان کو سائنس رد کر سکتی ہے ----؟"

مجھے مہاتماجی کی باتیں پوری طرح سمجھ آرہی تھیں' لیکن بات آگے بڑھے' اس لئے میں نے ایک اور پتھر لڑھکایا۔

"مہاتماجی! گستاخی نہ ہو تو عرض کروں ---- دنیا میں جتنے ناصح آئے یعنی اوتار اور فلسفی' اپنے ساتھ ایک انقلاب کا منشور بھی لائے۔ مؤثر الفاظ اور خوبصورت آدرشوں کی خیالی جنت' مگر ابھی تک دیش سدھار اور دنیا سدھار کا کام ادھورا پڑا ہے ----؟"

"ہاں میرے بچے! کیونکہ انسان پیار کے حقیقی ذائقے سے آشنا نہیں ہوسکا۔ لوگوں نے ہر نئے منشور میں پناہ ڈھونڈھی' کیونکہ انہیں سکون کی ضرورت تھی ----ایک گوشۂ عافیت کی' مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتے تھے ---- وہ اس علم سے بے بہرہ تھے کہ جو کچھ وہ تلاش کر رہے ہیں دراصل بنی نوع انسان سے پیار کرکے ہی حاصل کرسکتے ہیں -- میں نے ہمیشہ سوچا---- ....کہ جیون کی اصل حقیقت کو تلاش کرنے سے ہی انسان عرفان سے دو چار ہوسکتا ہے' مگر افسوس ---- میرے پیروکاروں نے پیار کے عرفان کو مذہب کے چوکھٹے میں فریم کردیا۔ اور یوں ' ایک ہمہ گیر سچائی کو مذہب سے منتھی کرکے ان لوگوں سے دور کردیا جو پہلے ہی باپ دادا سے وراثت میں ملی ہوئی سچائیوں کا دم بھرتے تھے ----یہی بنیادی خرابی ہے شاعر' کہ مذہبی تعصبات نے پیار کی بنیادی سچائی کو محض گھر تک محدود کردیا---- اور انسان دہلیز سے باہر کی دنیا سے کٹ گیا---کتنے دکھ کی بات ہے کہ انسان اداس ہے۔ ہمیشہ سے اداس ہے مگر اداسی کی بنیاد کا علم نہیں رکھتا۔"

"تو پھر کیا ہوگا مہاتماجی! دھرتی کا کیا ہوگا----؟"

"مجھے اس کا شعور نہیں ہے میرے بچے! میرے سینے میں جو پھول کھلا تھا اس کی خوشبو دھرتی کے چاروں اور نہ پھیل سکی۔ جہاں تک پھیل سکی اسے خزاں کے

دو چار جھونکوں نے خلا میں بکھیر کر گم کر دیا۔"

"مگر دھرتی پر اب بھی کروڑوں لوگ آپ کے نام لیوا ہیں مہاتما جی!"

"بے کار ہے سب' کوئی مجھے اوتار کہتا ہے کوئی بھگوان سمجھتا ہے اور میں ایسا بے بس' نہ انہیں جنگوں سے روک سکا' نہ دوسری خرابیاں دور کر سکا۔ سچائی اور پیار کی تلقین بے کار گئی۔ شاید میری تعلیمات میں کوئی کمی تھی یا میرا عرفان دوسرے درجے کا عرفان تھا یا میری آتما کی اپج ہی اتنی تھی کہ محدود سے کے بعد اس کا جادو ٹوٹ گیا۔ میں نادم ہوں کہ میری سچائیوں اور میری آدرشوں کا یہ انجام نکلا۔" مہاتما جی کی آواز گمبھیر ہو گئی۔ وہ خاموش ہو گئے۔

مگر چند لمحوں کے بعد آنکھیں دوبارہ کھولیں اور نحیف آواز میں بولے۔

"یہی وجہ ہے میرے بچو! کہ میں کبھی تو اپنی آدرشوں کو زندگی کا عرفان سمجھتا ہوں اور کبھی ان پر شک کرنے لگ جاتا ہوں۔ تم جانتے ہو میرے بعد بھی دھرتی پر اچھے لوگوں کا جنم ہوتا رہا۔۔۔ مگر' ۔۔۔ دھرتی کو شانتی نہ ملی ۔۔۔ اس کائنات نے کسی کو محسوس نہ کیا' نہ ہمارے جنم کو نہ ہماری موت کو' اور نہ ہماری تعلیمات کو ۔۔۔ ہم جو صدقِ دل سے نیکی اور اخلاق کا پرچار کرتے رہے۔ جیون کے ہر کروٹ نے اسے مذاق جانا۔۔۔ صدی نصف صدی کے بعد اخلاق و اقدار کا تصور بدلتا رہا۔۔۔ اور وراثت میں ملی ہوئی نیکیوں اور سچائیوں کا رنگ پھیکا پڑتا گیا۔۔۔ میں نہیں سمجھتا کہ روحانی ترقی کے بغیر زندگی کیونکر مکمل ہو سکتی ہے۔۔۔"

"آپ کا کیا خیال ہے ۔۔۔ اگر آپ کو دوبارہ جنم ملے تو آپ بخوشی واپس زمین پر چلے جائیں گے ۔۔۔؟"

مہاتما جی نے مجھے گہری مگر پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

"میرے بچے! میں نے محبت کا پرچار کیا اور ایذا پسندی کو رد کیا ۔۔۔ میری

جھولی میں اس کے سوا کچھ نہیں ۔۔۔ میں ایک نامکمل عرفان لے کر واپس دنیا میں کیا کروں گا۔۔۔"

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' زریں بولی۔" مہاتما جی! دنیا نہیں سدھرتی' جائے جہنم میں' آپ کے وچار اتنے سندر ہیں میں تو آج بھی انہیں مانتی ہوں۔ پھر آپ کی آتما کیوں مطمئن نہیں' کس چیز کی تلاش ہے آپ کو' کیوں اداس ہیں آپ ۔۔۔؟

"پتری!" مہاتما جی نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ "میں سمجھتا ہوں ۔۔۔ پیار ہی بھگوان ہے۔ کوئی بھگوان سے ملنا چاہے تو جی بھر کر پیار کر لے بھگوان ہمیشہ کے لئے اس کے من میں بس جائے گا ۔۔۔ مگر ایسا ہوا نہیں پتری! میری آتما کو اسی سوال نے دکھی کر رکھا ہے!!"

ضیاء اور رضا اس پوری بحث میں خاموش رہے۔

فلک باز مسکرا رہے تھے۔ وہ ہماری ارضی مباحث کو بیحد دلچسپی سے سنتے تھے۔ اگرچہ وہ ہماری باتوں کو اہمیت نہیں دیتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک اس مباحثے کی حیثیت کارِ طفلاں سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے باوجود ہم سب ایک حد تک اداس تھے۔ گمبھیر ہو گئے تھے۔ مہاتما جی کی باتوں نے ہم سب پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔

مگر اب مزید بات آگے بڑھانے کے لئے ہمارے دامن خالی تھے اور مہاتما جی کا دکھ ہم سے سوا تھا۔

چنانچہ میرے اشارے پر فلک باز نے بٹن دبایا۔

مہاتما جی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔



اس بار رضا چہکا۔ ”مہاتماجی کی باتوں سے طے ہوا کہ خوبصورت زندگی کے لئے ”محبت“ اور ”روحانی ترقی“ دو اہم بنیادیں ہیں اور سچ پوچھئے تو ان بنیادوں کو رَد بھی نہیں کیا جاسکتا۔“

”ہم روحانی ترقی اور محبت کو رَد نہیں کرتے۔“ ایک فلک باز بولا۔ ”لیکن روحانی ترقی جب تک شعوری ترقی کے دوش بدوش نہیں ہوگی‘ ادھوری رہے گی ----روحانی ترقی بے حد ضروری ہے مگر روحانی ترقی کی منزل تک پہنچنے کے لئے جذبات کا نہیں‘ شعور کا زینہ چڑھنا ہوگا۔“

”رہی محبت۔“ دوسرا فلک باز بولا۔ ”ہم محبت کو بھی رَد نہیں کرتے‘ لیکن محبت کے ساتھ ساتھ اقتصادی اور سماجی مسائل بھی ہیں (خصوصاً کرۂ زمین کے لئے) جب تک یہ مسائل شعور کے قبضۂ قدرت سے باہر ہیں۔ خالی خولی محبت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جذبات کا‘ محبت کا اور روحانیت کا طوطی ایک پَل زندہ نہیں رہ سکتا جب تک باقاعدگی سے اس کی چونچ میں دانہ نہ پہنچتا رہے۔“

”دانہ کون پہنچائے گا۔“ پہلا فلک باز بولا۔ ”غالباً محبت اور روح یہ کام نہیں کرسکتے۔ یہ کام تو شعور کا ہے کہ دانہ کہاں سے آئے گا۔ جب شعور اپنا کام مکمل

کرلے گا‘ تو پھر دل کھول کر محبت کرو ---- جب چاروں طرف سے محبتوں کی نوازشیں برسیں گی‘ تو روح میں خود بخود گداز پیدا ہوگا۔ گداز جس قدر بڑھے گا روحانی ترقی میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔“

اب دوسرے فلک باز نے بات آگے بڑھائی ----

”مہاتماجی کی محض محبت اور محض نیکی‘ سماجی اقدار ضرور ہیں‘ مگر انسان کی بنیادی ضرورتیں نہیں ---- مہاتماجی نے مہر و محبت کا سہارا تو لیا مگر انسان کے مستقبل کو محفوظ کرنے کی ضمانت نہ دی۔ یہی وجہ تھی کہ آدمی نے سوچا ---- مہر و محبت نہ چھت ہے‘ نہ دیوار ہے کہ اسے دھوپ اور سردی اور برسات سے بچائے۔ مہر و محبت روٹی کا ٹکڑا بھی نہیں کہ حلق سے اتر سکے ---- یوں مہاتماجی کا آدمی روحانی ترقی اور دنیاوی ترقی کے فاصلے اور تفریق میں بکھر بکھر گیا۔“

”تو یہ طے ہوا۔“ ڈاکٹر ضیاء بولا۔ ”کہ سائنس مقدم ہے۔ سائنس ہماری تو دنیا ہماری‘ پھر سب کچھ ہمارا‘ پھر کسی دوسری اور تیسری ترقی کا ذکر بے معنی ہوجاتا ہے ----؟“

”اگر آپ اس پر صاد کریں۔“ فلک باز بولا۔ ”تو ہم سمجھیں گے آپ نے حقیقت کو پالیا ہے۔“

”نہیں۔“ میں نے فلک باز کو تردیدی لہجے میں جواب دیا۔ ”میں جب تک کرۂ یاقوت دیکھ نہ لوں‘ شاہِ یاقوت سے بات نہ کرلوں‘ تمہاری تہذیب کو اپنے احساس پر پرکھ نہ لوں‘ کسی حقیقت کو پالینے کا اقرار نہیں کرتا۔“

فلک باز ہنس پڑے۔

”ہم آپ کو مجبور نہیں کرتے شاعر! شاہِ یاقوت بھی آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔“

زریں نے پوچھا۔ "ابھی اور کتنا سفر باقی ہے۔ ہم کب تک کرۂ یاقوت پہنچیں گے ----؟"

"ابھی کروڑوں میل کا سفر باقی ہے۔ ہم تقریباً چار ماہ بعد کرۂ یاقوت پر اتریں گے۔"

"دوستو!" رضا بولا۔ "آپ کی ترقی بے پایاں' آپ کی ہر بات سچی مگر آپ اب تک رفتار کنٹرول نہیں کر سکے۔ آخر دو سال مسلسل سفر کے کیا معنی ----!"

"دو سال نہیں چار سال کہو مسٹر رضا! دو سال زمین تک پہنچنے میں اور دو سال واپسی میں۔ ایک زمانہ تھا---- ڈھائی ہزار سال پہلے ----جب ہمارے دو فلک بازوں نے زمین کا سراغ لگایا تھا۔ ان کو آنے جانے میں آٹھ برس لگے تھے۔ اب ہم چار برس میں یہ سفر مکمل کریں گے۔ ظاہر ہے ہم نے رفتار کنٹرول کرنے میں خاصی ترقی کی ہے۔"

"آپ کو شاید معلوم ہوگا۔" رضا بولا۔ "ہمارا زمینی راکٹ چاند پر ڈھائی تین دن میں اور مریخ پر چار پانچ ماہ میں اتر جاتا ہے۔"

"یہ بہت معمولی رفتار ہے۔" فلک باز نے کہا۔ "آپ کا راکٹ اگر کرۂ ارض پر اترنا چاہے تو کم از کم دس برس لگیں گے۔"

"اوہ ---- مائی گاڈ ----!" زریں حیرت سے بولی۔ "تو یہ کائنات سے اس قدر وسیع ہے ----؟"

"بے کنار ---- ابھی بہت سے ایسے سیارے ہیں جن تک ہم نہیں پہنچ سکے ہیں۔ کوئی بعید نہیں کائنات کے کسی خطے میں ایسی مخلوق آباد ہو جن کی تہذیب ہم سے بھی زیادہ ترقی یافتہ ہو۔"

"مگر آپ نے کہا تھا۔" ڈاکٹر نے اسے یاد دلایا۔ "کہ کائنات میں آپ سے

زیادہ خوش' مطمئن اور ترقی یافتہ کوئی اور نہیں ہوگا ----؟"

"ہمارا خیال اب بھی یہی ہے مگر ہم خدائی دعویٰ نہیں کرتے۔ ہو سکتا ہے کوئی مرئی یا غیر مرئی طاقت ایسی ہو جو اس وسیع و عریض کائنات کو کنٹرول کرتی ہو ---- یہ جو سیارے اپنے محور کے گرد گھومتے ہیں کیوں ان کے روز مرہ میں فرق نہیں آتا ----؟ یہ سورج جو کروڑوں سال سے اپنی آگ میں جل رہا ہے' کہاں سے توانائی حاصل کرتا ہے ----؟ ذرا نیچے کیوں نہیں سرکتا ----؟ ذرا اوپر کیوں نہیں چلا جاتا---- اور تمہاری زمین کروڑوں سال سے محوِ سفر ہے ----خود ہمارا کرۂ یاقوت ازل سے متحرک ہے ---- بہت کچھ جاننے کے باوجود شاہ یاقوت کی تحقیق جاری ہے کہ کائنات کس طرح ازل ہوئی ----؟"

"اس موضوع پر بات کر کے آپ نے ایک حد تک میرا بوجھ کم کر دیا۔ میں شکریہ ادا کرتا ہوں دوستو!" میں نے خوش ہو کر کہا۔

فلک باز نے ملائمت سے پوچھا۔ "آپ کیا لادھے ہوئے تھے شاعر! آپ کس الجھن میں گرفتار تھے ----؟"

"میں تو آپ کے شاہِ یاقوت کو خدا سمجھے بیٹھا تھا۔ شکر ہے کہ وہ خدا نہیں اور تم فرشتے نہیں ورنہ میں ثمریں کا مسلہ کس طرح اٹھاتا۔"

سب ہنس پڑے۔

"اچھا یہ بتاؤ دوستو!" میں نے پوچھا۔ "ہمارے بعد ہمارے لواحقین پر کیا گزری۔ ہماری گمشدگی کی خبر پر زمین والوں کا ردِ عمل کیا تھا؟"

"ہاں صاحب! آپ نے تو اس بارے میں پوچھا ہی نہیں تھا۔" فلک باز نے ہلکے پھلکے موڈ میں بتایا۔ "آپ کی گمشدگی کو پوری دنیا نے محسوس کیا ہے۔ یہ خبر کرۂ ارض پر حیرت' تجسس اور خوف کے ملے جلے جذبے سے سنی گئی۔ ہر اخبار کی

شہ سرخی' ہر ریڈیو سٹیشن اور ہر ٹیلی وژن سینٹر کی سب سے اہم خبر' مختلف آرا مختلف چہ میگوئیاں ------"

ایک اخبار نے لکھا: "نامعلوم مخلوق نے زمین پر دھاوا بول دیا۔ چار افراد کا اغوا" ------! ایک اور اخبار نے لکھا---" شمالی ہند پر اڑن طشتریوں کی یلغار ----! مختلف ممالک کے ریڈیو سے دلچسپ تبصرے نشر ہوئے۔ ٹیلیوژن پر سائنسدانوں اور دانشورو ں نے اس موضوع پر اپنی آرا کا اظہار کیا۔ ایک سیاستدان نے بعید احمقانہ بیان دیا---- کہ بین الاقوامی پولیس فورس تیار کی جائے۔ ساحل سمندر پر پکنک پوائنٹ مقرر کئے جائیں۔ ہر پکنک پوائنٹ پر متعلقہ فورس کے مسلح سکواڈ متعین کئے جائیں ---- تاکہ زمین کے لوگ نامعلوم مخلوق کی زد سے بچ سکیں ---- امریکہ نے سولہ افراد پر مشتمل وفد بھیجا----- جس میں دس سائنسدان اور چھ اخبار نویس تھے۔ سائنسدانوں نے ساحل سمندر پر وہ موقع دیکھا جہاں اڑن طشتری اتری تھی ---- اخبار نویسوں نے آپ سب کے لواحقین اور احباب کے طویل انٹرویو شائع کئے۔ سارے مبصروں کے لئے حیران کن امر یہ تھا کہ اغوا ہونے والے چاروں افراد کنوارے تھے ----!"

"ہاں واقعی۔" میں نے پوچھا۔ "آپ لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟"

"بہت سیدھی بات ہے ہم ایسے آدمی کیوں اٹھاتے جن کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ہم کرۂ یاقوت سے ان کے بچوں اور بیویوں کی ذمہ داریاں کیونکر پوری کرسکتے تھے ---- لہٰذا بہتر تھا۔ ہم ایسے آدمی اٹھاتے جو ذمہ داریوں سے مبرا تھے ----"

"ثمریں بھی تو کنواری تھی۔ آپ اسے کیوں نہ اٹھالائے؟"

"ہمیں افسوس ہے شاعر! کہ ہمارے خلائی طیارے میں صرف چار آدمیوں کی

گنجائش تھی ---- ہمارے کمپیوٹر نے پیشگی اطلاع کردی تھی کہ واقعے کے دن ساحل سمندر پر آپ چار ہی ہوں گے کیونکہ ثمریں کی طبیعت اس دن ناساز ہوگی۔"

"تو گویا آپ کی ریاضی اس قدر ایڈوانس ہے؟" رضا نے پوچھا۔

"ہاں رضا صاحب اگر شاعر چاہے تو ہمارا کمپیوٹر چند سیکنڈ میں یہ بھی بتا سکتا ہے کہ ثمریں کی موت کب واقع ہوگی۔"

"نا' نہیں ----!" مَیں نے چلا کر کہا۔ "ثمریں کی موت کی پیشگی اطلاع سے مجھے ہرگز دلچسپی نہیں ---- مَیں تجسس سے خالی زندگی سے قطعاً" کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ ایسی باخبر مشینی زندگی بس آپ ہی کو مبارک ہو ----"

دونوں فلک باز ہنس پڑے۔

مگر مَیں بری طرح ڈسٹرب ہوگیا تھا-----

"یہ عجیب مذاق ہُوا نا' کہ مجھے تو آپ نے امر کر دیا اور ثمریں کی موت کی تاریخ بتارہے ہیں -----ٹھیک ہے۔ آپ نے ہمیں سائنس کے زور سے زیر ضرور کرلیا ہے' مگر ہمارے جذبۂ دل کا مذاق نہ اڑائیں۔"

"شاعر! ہمارا ہرگز یہ منشا نہیں تھا۔" فلک باز نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "ہمارا مقصد آپ کا دل دکھانا نہیں تھا۔"

"مَیں خاموش ہوگیا اور کوئی جواب نہ دیا تو دوسرا فلک باز بولا۔

"اصل بات یہ ہے کہ انسان جس طرح کی زندگی کا عادی ہوجائے' اس سے مختلف زندگی دیکھتا ہے تو اسے حیرت اور اچنبھا ہوتا ہے ۔ زندگی کے اقدار کی اچانک تبدیلی کوئی مشکل ہی سے قبول کرتا ہے ---- ہمارے شاعر دوست کا دوش نہیں' شاہِ یاقوت جب اچانک تبدیلیاں لائے تھے تو ہم لوگ اسی طرح چونکے تھے۔

ہم بھول جاتے ہیں کہ کبھی ہم غار کے آدمی تھے اور پتھر سے شکار کھیلتے تھے۔ ——!"

مَیں نے دیکھا —— زریں مسکرا رہی تھی۔ اس مسکراہٹ میں دبی دبی سی شرارت بھی تھی۔

ضیاء اور رضا کی خاموشی بھی بتا رہی تھی کہ فلک باز کی باتوں سے متفق ہیں۔

"ٹھیک ہے۔" مَیں جیسے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ "آپ لوگ زندگی کو انچوں، فٹوں کے پیمانے سے ماپیں، مگر مَیں زندگی کو اپنے وجدان سے پہچانتا ہوں —— جس رویے کو میرا وجدان اور عرفان قبول نہیں کرتا —— مَیں اسے الجبرے کی منطق سے قبول نہیں کرسکتا ——"

"آپ واقعی شاعر ہیں۔" فلک باز بولا۔ "سائنس آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی!"

"مَیں سائنس کو مانتا ہوں بھائی! دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی حد تک، مگر دل کی دنیا سے کیا واسطہ سائنس کو، سائنس اپنا کام جاری رکھے —— دل کے معاملے دل پر چھوڑ دے۔"

فلک باز ہنس کر بولا۔ "شاہِ یاقوت آپ کی باتیں سن کر بہت محظوظ ہوں گے۔"

"کیوں، کیا مجھ پر نظرِ انتخاب اس لئے پڑی تھی کہ شاہِ یاقوت کا دل بہلے ——؟"

"نہیں، شاعر بھائی! ہم نے کسی تمسخرانہ پہلو سے یہ بات نہیں کی بلکہ آپ کی اَنا کی انفرادیت، زندگی کے بارے میں آپ کا رویہ، محبت کے سلسلے میں آپ کا استقلال، کوئی اتفاق کرے نہ کرے، مگر آپ کی ٹھوس شخصیت تو بہرحال موجود ہے؟"

"شیطان بھی تو ٹھوس شخصیت رکھتا ہے ——؟"

"مگر اس کی شخصیت کا استدلال منفی بنیادوں پر ہے جبکہ آپ کا رویہ شاعرانہ ہے۔ آپ رومانی سج دھج کے ساتھ زندگی کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مثبت رویہ نہ سہی، مگر تخریبی رویہ بھی نہیں۔"

"آپ کے نزدیک عقلی رویے کے علاوہ زندگی کا ہر رویہ بے معنی ہے۔ آپ لوگ ایسا کیوں نہیں کرلیتے کہ انسان کی کھوپڑی کو رہنے دیں باقی سارا دھڑ الگ کرکے پھینک دیں ——"

"اگر آپ غور کریں، تو عملاً" ہم نے ایسا کر دکھایا ہے۔"

"تو پھر مَیں انسانی کھوپڑیوں میں رہنے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے بھیڑیوں کے بھٹ میں پھینک دیجئے کہ وہاں مکمل بھیڑیے تو ہوں گے۔"

"اس لئے تو مَیں کہتا ہوں"۔ فلک باز نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کہ شاہِ یاقوت سے آپ کی ملاقات بے حد دلچسپ رہے گی۔"

اچانک زریں نے فلک باز سے پوچھا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو مَیں کچھ دیر کے لئے کھڑی ہوجاؤں ——؟"

"کیوں آپ تھک گئیں ——؟"

"تھکاوٹ تو بالکل محسوس نہیں ہوتی، لیکن اتنا طویل عرصہ بیٹھے اور لیٹے رہنے کی وجہ سے خیال آیا، کہیں میں چلنا پھرنا نہ بھول جاؤں۔"

"نہیں —— آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ کا دل چاہے، تو طیارے میں چہل قدمی کرسکتی ہیں۔"

زریں اٹھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے طیارے میں پہلا قدم اٹھایا۔ اور دائرے کی شکل میں دس قدم چل کر واپس اپنی کرسی پر پہنچ گئی۔

فلک باز نے کہا۔ "آپ سب باری باری چہل قدمی کا شوق پورا کرسکتے ہیں۔"

"پہلے رضا اٹھا' پھر ڈاکٹر' اس کے بعد مَیں نے چکر لگایا۔ ہم سب ایکسائٹ ہو رہے تھے کیونکہ یہ بے حد تحیر کن تجربہ تھا۔

ایسے سبک سبک قدم گویا ہوا میں اُڑا چاہتے ہیں۔

فلک باز نے کہا۔ "آپ خوش ہو رہے ہیں کیونکہ یہ سبکساری آپ کا مقدر بن چکی ہے۔"

"تاحیات' یعنی تا قیامت۔" زریں نے پوچھا۔

"جب تک یہ کائنات موجود ہے۔ حیات کی ساری مراعات آپ کے ہم قدم رہیں گی۔"

"کیا ہی اچھا ہو! یہ ساری مراعات لے کر مَیں واپس زمین پر جاسکوں ۔۔۔۔" زریں بولی۔

"اگر شاہِ یاقوت چاہیں' تو آپ واپس جاسکتی ہیں' مگر مجھے یقین ہے کرۂ یاقوت پر پہنچ کر آپ ایسی طلسمی دنیا دیکھیں گی کہ زمین کی ساری کشش بھول جائیں گی۔"

"آپ کرۂ یاقوت کا جس انداز میں ذکر کرتے ہیں دل چاہتا ہے پہلے کرۂ یاقوت دیکھ لیا جائے' اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے۔"

"ایک بات بتاؤ دوستو!" ڈاکٹر نے فلک بازوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "لگ بھگ ایک سال آٹھ ماہ ہو رہے ہیں۔ قطرۂ حیواں کے سوا کوئی چیز ہمارے حلق سے نہیں اتری۔ بھوک کا احساس نہ ہونے کے باوجود جی چاہتا ہے کوئی چیز کھائی اے۔ میرا خیال ہے جس طرح آپ کی باتیں انوکھی ہیں' کرۂ یاقوت کا ذکر عجیب ہے' اسی طرح کرۂ یاقوت کے ذائقے بھی منفرد ہوں گے ۔۔۔۔؟

"آپ درست کہتے ہیں ۔۔۔۔ دراصل آپ کو کھانے کی پیشکش اس لئے نہیں کی گئی تاکہ آپ کو اندازہ ہوجائے کہ قطرۂ حیات پینے کے بعد آپ فکرِ شکم سے بے گانہ ہوگئے ہیں۔"

"بہرحال ہم آپ کی خواہش پوری کردیتے ہیں۔" دوسرا فلک باز اٹھا۔

ہم چاروں اب ایک نئے انکشاف کے لئے بے تاب تھے۔

فلک باز طیارے کے بائیں ونگ کی طرف گیا جہاں چار چھوٹے سوئچ نظر آرہے تھے۔ جونہی اس نے اوپر کا سوئچ دبایا' ایک میوزیکل بار کے ساتھ دو فٹ چوڑا اور چار فٹ لمبا سبز پردہ سرک کر طیارے کے بغلی حصے میں گم ہوگیا۔

دوسرا بٹن دبایا تو طیارے کے پیٹ سے اسی سائز کی فریج نما چیز باہر آگئی۔ اس کا رنگ فیروزی تھا۔

تیسرا بٹن دبایا تو اس کا دروازہ بھی میوزیکل بار کے ساتھ دو حصوں میں دائیں بائیں سرک گیا۔ اس میں چار خانے تھے۔ چاروں خانوں میں رنگا رنگ کے پھل سجے ہوئے تھے ۔۔۔۔ ہر رنگ میں سرخ رنگ نمایاں اور غالب تھا۔ ہم حیرت اور شوق سے یہ سارا عمل دیکھ رہے تھے۔

فلک باز نے اوپر کے خانے سے چار سیب اٹھا کر ہماری طرف پھینکے۔ چاروں نے اپنا اپنا سیب جھپٹ لیا۔ سیب کا سائز زمینی سیب سے قدرے بڑا تھا اور بالکل یخ تھا۔ ایک سیب اس نے خود اٹھالیا اور دوسرا اپنے ساتھی کی طرف پھینکا۔

کیا بتاؤں یہ کیسا ذائقہ تھا۔ یہ سیب جیسا ذائقہ نہیں تھا۔ میں نے روئے زمین پر ایسا ذائقہ نہیں چکھا تھا۔ ایسی خوشبو مَیں نے آج تک کسی پھل میں محسوس نہیں کی تھی۔ ایسی لذت آفریں چیز پہلی بار میرے حلق سے اتر رہی تھی۔

یہ لذت کام و دہن کا ایسا تجربہ تھا کہ بے کنار مسرتوں نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

یہی حال میرے ساتھیوں کا تھا۔ زبان سے تو وہ کچھ نہ بولے تھے، لیکن جسم کی آسودگی سے ان کی آنکھوں میں جو چراغ جھلملا رہے تھے وہ دیدنی تھے۔ مَیں محسوس کر رہا تھا کہ کوشش کے باوجود ہم اپنی خوشی فلک بازوں سے نہ چھپا سکے تھے۔

زریں نے سرگوشی کی۔ "تو یہ ہے کرۂ یاقوت کا پہلا تحفہ!؟"

اب فلک باز نے دوسرے خانے سے کیلے اور بینگن جیسا لمبا پھل نکالا۔ اس کا رنگ زرد اور سرخ تھا۔ اس کی لمبائی تقریباً" نو انچ تھی اس میں سرخ انار کی طرح گول گول دانے تھے جس میں سرخ رس بھرا ہُوا تھا۔

یہ چیز ہی منفرد تھی ـــــ زمین کے کسی ذائقے کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا کہ اس کے حوالے سے اس کا ذکر کیا جائے۔

ایسا ذائقہ کہ صرف زبان ہی نہیں جسم کے رُوں رُوں نے اسے محسوس کیا۔ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ ذائقہ نہ تھا، ایسا تجربہ تھا کہ ہڈیوں کے گودے تک نے بھی اس کی لطافت محسوس کی۔

اب تیسرے خانے کی باری تھی۔

پھر چوتھے خانے کی باری آئی۔

میرے پاس الفاظ نہیں کہ اس احساس لطیف کا ذکر کروں، ایک سے ایک مختلف، ایک سے ایک نفیس اور ایک سے ایک خواب آگیں۔ میرے ساتھی جو پہلے ہی بہت مرعوب تھے، کام و دہن کی لذت آفرینوں نے ان کا رہا سہا حوصلہ بھی چھین لیا۔

مَیں محسوس کر رہا تھا کہ ابھی تو انہوں نے زبان کا چٹخارہ ہی محسوس کیا ہے کرۂ یاقوت پر لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں بے مثل حسیناؤں کو دیکھیں گے تو جنسیت کے فسوں میں سدا کے لئے نظروں سے اوجھل ہوجائیں گے۔

فلک باز نے چوتھا سوئچ دبایا تو اسی طرح میوزیکل بار کے ساتھ ہر چیز باری باری اپنی جگہ پر چلی گئی۔ اب طیارے کے اندرونی حصے میں کوئی درز نظر نہیں آرہی تھی۔ فلک باز واپس آکر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ زریں پھل کھا کر بے حد چنچل ہو رہی تھی۔ اس نے مسرت بھرے لہجے میں فلک باز کو مخاطب کیا۔" آپ نے تو پہلے ہی مرحلے پر ہمارے دل جیت لئے ہیں!"

ضیاء نے کہا۔ "مَیں سو بار بھی جنم لیتا تو زمین پر ایسی لذتوں سے دوچار نہ ہوتا۔"

رضا نے کہا۔ "بے مثال، لافانی، زبان اس لطف لطیف کو بیان نہیں کرسکتی۔ زبان اسے بس محسوس کرسکتی ہے۔"

مَیں چپ رہا تو فلک باز نے پوچھا۔ "شاعر نے اپنا ردِ عمل نہیں بتایا ـــــ؟"

"مَیں نے اپنا ردِ عمل جسم اور روح میں منتقل کردیا ہے۔ مَیں ایسی لذتوں کو کیونکر نظر انداز کرسکتا ہوں جس نے مجھ سے تین ساتھی چھین لئے ہیں اور خود مجھے بھی فسوں در فسوں کے جال میں جکڑ رکھا ہے۔"

"جب آپ خود جال میں جکڑے گئے ہیں۔" زریں بولی۔ "تو پھر ساتھیوں کے چھن جانے کا ملال کیسا۔ اس کا تو مطلب یہ ہُوا کہ خود آپ بھی ہمارے ساتھ ہیں ـــــ؟"

مَیں جسمانی طور پر آپ کے ساتھ ہوں مگر میرا رشتہ زمین سے نہیں ٹوٹا۔ مجھ میں اور آپ میں بس اتنا فرق ہے کہ مجھے محبتوں کے طلسم خانے سے نکال دیا گیا

ہے اور آپ کو محبتوں کے طلسم خانے کی تلاش ہے۔ ظاہر ہے حیرت کدوں میں پہنچ کر ہوش و حواس کہاں باقی رہتا ہے!"

ایک فلک باز نے ہنس کر کہا۔ "شاعر! مجھے آپ کی باتیں مطمئن نہیں کرتیں، مگر مجھے آپ کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔"

"یعنی ------؟"

"یعنی اگر شاہِ یاقوت نے پوچھا کہ آپ کے ہم سفر کیسے لوگ ہیں تو مَیں نہایت یقین سے کہہ سکوں گا کہ زمین پر ایسے لوگ موجود ہیں جن میں مسرتوں کو رُد کرنے کا حوصلہ ہے۔"

"مگر مَیں مہاتما بدھ پھر بھی نہ بن سکوں گا۔"

"لیکن آپ کی شاعرانہ ہٹ سے انکار بھی تو ممکن نہیں۔"

"شاعرانہ ہٹ آپ کے نزدیک بچگانہ ہٹ ہے۔ مَیں جانتا ہوں آپ اس بچگانہ ہٹ سے محظوظ ہوتے ہیں کہ مَیں زمین کی ایک عورت کے لئے تڑپتا ہوں مگر مَیں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا سائنس کتنی بھی عظیم کیوں نہ ہو۔ مَیں زندگی کو اپنے وجدان اور عرفان سے پہچانتا ہوں، شعور کی عظمت اپنی جگہ، مگر مَیں جنوں کی کیفیت سے دامن خالی نہیں کر سکتا۔"

"جبھی تو کہتا ہوں مجھے آپ کی باتیں اچھی لگتی ہیں کیونکہ ساڑھے تین ہزار سال پہلے میرا رویہ بالکل آپ جیسا ہوتا تھا۔"

"مبارک ہو کہ اب آپ دانشور ہوگئے ہیں، مگر نہیں جانتے کہ اپنی فطرت کھو کر آپ نے کیا کچھ کھو دیا ہے۔"

"مجھے اس پر ذرا بھی پشیمانی نہیں ہے شاعر! کیونکہ میری فطرت جس حسن کی تلاش میں تھی، وہ میرے قبضۂ قدرت میں آگیا ہے۔"

"آپ نے اپنی صورت بدل ڈالی، اپنی فطرت بدل ڈالی اور اس پر بھی نازاں کہ آپ کی شخصیت سلامت ہے۔ آپ تو سانچے سے نکلے ہوئے وہ مصنوعی انسان ہیں جس کی سانسیں بھی شاہِ یاقوت کے پاس گروی ہیں، لیکن پھر بھی آپ کو دعوےٰ ہے کہ آپ حسن کی تلاش میں کامیاب ہوئے ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے، دیئے سے دیا نہ جلے۔ ایک انسان دوسرے انسان کے کام نہ آئے۔ شاہِ یاقوت نے طویل عرصہ ریاضت کر کے جو کچھ انسان کے لئے حاصل کیا، اسے دریا برد کر دیا جائے۔"

"میں شاہِ یاقوت کی نیکی کی سرشت کو رَد نہیں کرتا۔ مجھے مشینی عمل سے لائی ہوئی نیکی پر اعتراض ہے ---- انسان کو اپنی فطری جبلّت کے ساتھ زندہ رہنا چاہیئے، البتہ انسان کوشش جاری رکھے اور روحانی ترقی کے ان مدارج کو چھو لے کہ انسانی فطرت کا شر خود بخود زیر ہو جائے ----"

"گویا یوں نہ ہوجائے، یوں ہوجائے۔" فلک باز نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہاں ---- کیونکہ یہی فطری عمل ہے۔"

"مگر یہ عمل زمین پر ناکام ہوچکا ہے۔"

"ناکام نہیں ہُوا، وہاں ابھی تجربہ جاری ہے۔ کچھ لوگ ہیں جو روحانیت کی تلقین کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ہیں جو مادے کے عمل کو مانتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو رَد کرتے ہیں، مگر دونوں ابھی خام ہیں ---- وقت آئے گا، دونوں کی خامیوں کی نشاندہی ہوجائے گی۔ دونوں کی خوبیاں سامنے آئیں گی ---- پھر ایک وقت آئے گا دونوں کی خوبیاں یک جان ہو کر آگے بڑھیں گی اور ایک نئے سماج کی بنیاد اٹھے گی اور ہم ایک فطری عمل کے ذریعے زندگی کو کھوجنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔"

"یعنی سائنس کی طاقت سے جیت نامناسب اور روحانیت کی طاقت سے جیت

مناسب ـــــ؟"

"یہ ایسا نازک فرق ہے کہ سائنس کا آدمی شاید ہی سمجھ سکے!"

"مگر کیوں ـــــ؟"

"کیونکہ دو اور دو جمع چار روٹیاں' سائنس کی انتہا بس یہی ہے نا ـــــ؟"

دونوں فلک باز ہنس پڑے۔

"بات دراصل یہ ہے دوستو!" میں نے بات آگے بڑھائی۔ "جو لوگ مابعد الطبیعات پر یقین نہیں رکھتے' وہ روحانیت کا ذائقہ کیسے جان سکتے ہیں ـــــ؟"

"ایک بات آپ بھی سمجھیں شاعر کہ مابعد الطبیعات کا جو تصور عام ہے اگر ہماری زندگی اس تصور پر پوری اترتی ہو تو آپ ہم سے کیا توقع رکھتے ہیں؟"

"میں آپ سے توقع کیوں رکھوں جبکہ ثمریں سے میری مرضی کے خلاف جدائی آپ کا قطعی سائنسی فعل ہے۔ میں سائنسی حریت کے اس عمل کو کیونکر داد دے سکتا ہوں۔"

"اس کا جواب تو ہم آپ کو دے چکے ہیں۔"

"یہی نا کہ آپ مجھے مابعد الطبیعاتی تصورات پر پوری اترنے والی خوشیوں سے ہمکنار کردیں گے۔ کرۂ یاقوت کی حوریں میرے ہم دوش ہوں گی اور مسرتوں کے سلسلۂ ناتمام میں غوطہ زن رہوں گا ـــــ؟"

"اور اس پر بھی آپ ناخوش ہیں۔"

"بات خوشی اور ناخوشی کی نہیں ہے دوستو! اصول کی ہے ـــــ ایسی خوشی جو میں نے اپنے زورِ بازو سے حاصل نہیں کی' مجھے کیونکر مطمئن کرسکتی ہے۔ ایسی خوشی جس کے حصول کے لئے میری روح نہیں تڑپی' میں اسے کیونکر محسوس کرسکتا ہوں ـــــ؟"

"یہ فیصلہ تو کرۂ یاقوت پر پہنچنے کے بعد ہوگا۔" اب زریں کی کمک آن پہنچی۔

"ہم دیکھے بغیر کیسے نتائج اخذ کرسکتے ہیں کہ جو کچھ ہمیں ملا ہے' ناکافی ہے یا ہمارے حوصلوں سے بہت زیادہ ہے' یا ہم اسے محسوس کرنے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔"

"آپ تو اسے محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ کرۂ یاقوت پر پہنچے کا انتظار کیوں؟ آپ کی آنکھوں میں تو پھل کھاتے ہی نتائج سامنے آگئے تھے۔"

زریں ہنس کر بولی۔ "پھل کا ردِ عمل تو آپ پر بھی ہوا ہے شاعر! ورنہ یہی فلک باز تھے کہ آپ ان کی باتوں کو مرعوبیت کی حد تک قبول کرتے رہے ہیں' لیکن پھل کھانے کے بعد آپ ایسے مستند کمپیوٹر کی طرح بول رہے ہیں کہ بیچارے فلک باز زچ ہوا چاہتے ہیں۔ خود میں آپ کی باتیں سن کر حیران ہوگئی ہوں!"

"آپ ابھی خام ہیں زریں! جس طرف زیادہ طاقت ہوگی۔ زیادہ ذہانت' آپ اس سمت مڑ جائیں گی ـــــ کرۂ یاقوت پر پہنچنے کے بعد آپ کا رویہ کچھ اور ہوگا ـــــ شاہِ یاقوت سے ملاقات کے بعد آپ کا رویہ کچھ اور ہوگا اور ایک لمحہ آئے گا' آپ کی شخصیت نظروں سے اوجھل ہوجائے گی۔ قطرۂ آب کی طرح آپ طاقت کے سمندر میں گم ہوجائیں گی۔"

ضیاء اور رضا غور سے میری باتیں سن رہے تھے۔

فلک باز حسبِ معمول مسکرا رہے تھے۔

زریں کی چتون اور زیرِ لب مسکان میں لطیف سی خفت کا احساس تھا۔

معاً طیارے میں ایک بار پھر مترنم گھنٹی بجی اور سبز بتی روشن ہوگئی۔ فلک باز کھل اُٹھے۔

"شاہِ یاقوت تشریف لاتے ہیں۔"

○

بٹن دبنے پر یاقوتی گولہ اپنی مخصوص شعاعوں سے چمک اٹھا اور اگلے لمحے شاہِ یاقوت مسکراتے ہوئے گولے میں نظر آ گئے۔

آپس میں پانچ چھ منٹ گفتگو کے بعد فلک باز نے میری طرف دیکھا۔ "شاہِ یاقوت تخصیص سے آپ کی خیریت دریافت کر رہے ہیں۔"

"ان سے میرا سلام کہیئے ———"

"وہ آپ کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ کرۂ یاقوت کے باسی آپ سب کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہے ہیں۔"

"ان سے کہیئے ہماری بے تابی بھی کچھ کم نہیں ——— زمین کا دکھ اپنی جگہ' مگر ایک نئی دنیا دیکھنے کے شوقِ فراواں کی اپنی اہمیت۔"

"شاہِ یاقوت فرماتے ہیں جب آپ کرۂ یاقوت کی فضاؤں میں داخل ہوں گے تو ہم بہ نفسِ نفیس آپ کا استقبال کریں گے۔"

"خدارا اتنا احترام نہ دیجئے گا کہ خاکی لوگ آپے میں نہ رہ سکیں ——— ہم تو غلام ہیں آپ کے ———!"

"ہمارے ہاں کوئی کسی کا غلام نہیں ہے' آپ ہمارے دوست ہیں۔ آنکھوں میں بٹھائیں گے' دل میں بسائیں گے' دیکھیں گے آپ' کرۂ یاقوت کے لوگ کتنی محبتیں بچھاتے ہیں آپ کی راہ میں ———!"

"ہمیں احساس ہے کہ پیار کی نگری کی طرف محوِ سفر ہیں۔ بس ڈر ہے تو یہ' کہ محبتوں کی یلغار بے پایاں میرے ذہن کو شل نہ کر دے۔"

"شاہِ یاقوت فرماتے ہیں ہم آپ کو ایسی توانائی سے نوازیں گے کہ محبتوں کی یلغار تو کجا' نفرتوں کے پہاڑ بھی آپ کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔"

"عنایات بے کنار کے شکریے کی تاب کہاں سے لاؤں۔ زمین کے انسان کو ایسی وافر مہربانیوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ حیران ہوں کیا کہوں کیا نہ کہوں۔ آپ کے لطف و کرم نے تو یارائے گفتنی سلب کر لی ہے چہ جائیکہ مخملئے گفتنی کے لئے لب وا کروں۔"

"شاہِ یاقوت فرماتے ہیں آپ کھلے ذہن کے ساتھ کرۂ یاقوت پر قدم رکھیں۔ یہاں کے دَر اور دریچے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ یہاں کسی رہزن کا گزر نہیں ہے۔ اظہارِ مدعا پر کوئی قدغن نہیں ہے اور اختلافِ اصول پر کوئی قید نہیں ہے ——— حرفِ شکایت سر آنکھوں پر' بزمِ حکایت کے لئے دامن کھلا' جو تن سے گزرے' من میں آئے' جو من سے گزرے' لب پر آئے۔ ہم کھلے ذہن کے ساتھ آپ کا شکوہ سنیں گے۔"

"ہم نے ایسی شہد آگیں گفتگو زندگی میں پہلی بار سنی ہے۔ حکم حاکم مرگِ مفاجات کے دیس میں ایسی گفتار شاید و باید۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے رویے میں چاپلوسی ہوتی ہے۔ سرکشی اور یا بے بسی' ہم انہیں بھی دیکھتے ہیں جو خوشامد کر کے زیست کرتے ہیں۔ ہم انہیں بھی دیکھتے ہیں جو بغاوت کر کے فنا ہو جاتے ہیں اور ہم انہیں بھی دیکھتے ہیں جن میں نہ چاپلوسی کی صلاحیت ہوتی ہے اور نہ بغاوت کی ہمت۔ بس دیدۂ حیرت سے دنیا کو دیکھتے ہیں اور جھوٹے سپنے اگاتے ہیں کہ وقت آئے گا۔ فلک چھم چھم موتی برسائے گا ——— ان کے دکھڑے دُور ہوں گے۔

مگر کون جانے، کب کوئی شاہِ یاقوت زمین پر اترے گا ـــــ اور ان کو زیست کے گر بتائے گا ـــــ!"

"خوب، بہت خوب، شاہِ یاقوت فرماتے ہیں۔ آپ واقعی شاعر ہیں۔ آپ کی باتیں سن کر ہم زمین کے دکھ زیادہ قریب سے دیکھ سکیں گے ـــــ آپ کے لئے بھی آسانی ہوگی ہمیں درگزر کرنے میں کہ بلا اجازت اٹھا لائے، مگر یہ ناگزیر تھا کہ ہمیں آپ کی ضرورت تھی!"

"محترم شاہِ یاقوت، میری ضرورت کو ناگزیر کہنے سے میرے ساتھیوں کی سبکی نہ ہوجائے۔ یہ معاشرے کے بے حد اہم لوگ ہیں۔ کم از کم میرے معاشرے میں تو مجھ سے زیادہ اہم ہیں۔"

"شاعر! شاہِ یاقوت فرماتے ہیں جو یہاں آگیا محترم ہوگیا۔ ہم نے ان کو جیت لیا۔ ان کے جسم و جان دونوں کو جیت لیا۔ نظر انداز کرنے کا کیا سوال ۔ ہم ان کے ہوئے وہ ہمارے ہوئے۔"

"مَیں اس پر صاد کرتا ہوں۔ میرا جیون شاہِ یاقوت کی نذر۔" رضا بولا۔

"مَیں بھی حیات جاوداں کے خالق کو سلام کرتا ہوں۔" ضیاء بولا۔

"مَیں بھی والیِ فسوں کے شہنشاہ کی باندی ہونے کا اقرار کرتی ہوں۔" زریں بولی۔

"اب میرا بار کم ہُوا۔" مَیں نے مسکرا کر کہا۔ "میرے ساتھی عزتِ نفس کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ مَیں تو پہلے بھی تنہا تھا اب بھی تنہا ہوں۔ میرے جیسے لوگ تو ازلی تنہا ہوتے ہیں۔"

شاہِ یاقوت فرماتے ہیں ہمارے کرے میں یگانگت کی جو فضا پائیں گے، آپ کی تنہائی کا احساس ختم ہوجائے گا۔"

مَیں آپ کے فلک بازوں سے سن چکا ہوں اور وہ میرا جواب بھی سن چکے ہیں۔ آپ مجھ پر اَن گنت مسرتوں کے در وا کردیجئے، پھر بھی اپنی محبت سے بچھڑنے کا احساس ختم نہ ہوگا۔"

"شاہِ یاقوت فرماتے ہیں کیا یہ جمود نہ ہوگا کہ انسان ایک مسرت کی خاطر لاکھوں مسرتوں سے محروم ہوجائے۔"

"کیا آپ نے شاہِ یاقوت کو بتایا نہیں کہ یہ سائنس کا رویہ ہے جنوں کا رویہ نہیں، مَیں سائنس کی رہنمائی میں نہیں اپنے روح کے تقاضوں کے لئے جینا چاہتا ہوں۔"

شاہِ یاقوت ہنس پڑے ـــــ

دو منٹ فلک بازوں سے مزید گفتگو ہوئی۔ پھر معاً سبز بتی بجھ گئی اور شاہِ یاقوت نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

مَیں نے فلک بازوں سے پوچھا۔ "شاہِ یاقوت نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

"شاہِ یاقوت فرمارہے تھے کرۂ یاقوت پہنچنے پر آپ سے براہِ راست گفتگو کرنے میں بہت لطف آئے گا ـــــ وہ بہت خوش ہیں کہ ہماری مہم بروقت اور کامیابی سے انجام پذیر ہو رہی ہے۔"

"یہ تو بتاؤ دوستو!" ضیاء نے پوچھا۔ "اب مزید کتنا سفر باقی ہے ـــــ؟"

"بس اب تو مہم ختم ہُوا چاہتی ہے۔"

"ٹھیک اٹھارہ دن آٹھ گھنٹے کے بعد ہم خلاء سے کرۂ یاقوت کی حدِ کشش میں داخل ہوجائیں گے۔" دوسرا فلک باز بولا۔

"اور سنیئے!" پہلے فلک باز نے کہا۔" صرف شاہِ یاقوت ہی نہیں' کرۂ یاقوت کی پوری آبادی میں عجیب طرح کا تجسس ہے کہ کائنات کے دوسرے سیاروں کے لوگ کیسے ہوتے ہیں ـــــ؟"

"خود ہم بھی انہیں دیکھنے کے لئے بے چین ہیں۔" زریں بولی۔

"کیا وہاں کے سارے لوگ ہماری زبان سمجھیں گے ـــــ؟" رضا نے پوچھا۔

"یقیناً! ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ عملِ تجدید کے بعد ہر آدمی ایک زندہ کمپیوٹر بن جاتا ہے ـــــ وہاں کے زن و مرد سب میں ہم جیسی ذہانت کارفرما ہے۔"

"کیا آپ کی طرح آپ کی عورتیں بھی خوبصورت ہیں؟" زریں نے پوچھا۔

"اگر کوئی پوچھے حسن کے معنی کیا ہیں تو مَیں کہوں گا کرۂ یاقوت' کرۂ یاقوت کی ہر چیز منفرد ہے اور کرۂ یاقوت کی عورت کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ کائنات میں اس سے خوبصورت چیز دوسری نہیں ہوگی!"

زریں نے ایک اور گرہ لگائی۔" اگر میں عملِ تجدید سے گزروں' تو کیا میری شکل بدل جائے گی؟"

دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہوگا۔ موجودہ شکل میں بھی آپ سو گنا زیادہ حسین ہوجائیں گی۔"

"مائی گاڈ!" وہ خوشی سے بوکھلا کر بولی۔ "مگر کس طرح ؟"

"پانچ منٹ کے عملِ تجدید میں اربوں کھربوں کی تعداد میں روشنی کے ذرات آپ کے جسم میں تحلیل ہوجائیں گے تو جسم کی جملہ کثافت جل کر ختم ہوجائے گی' پھر آپ ایک ایسے اطہر اور شاداب جسم کے ساتھ زندگی سے لطف اندوز ہوں گی جو کبھی ڈھلے گا نہیں' کبھی زوال پذیر نہیں ہوگا۔"

"اُف اللہ! کیسی نوید ہے یہ' کیسے لازوال مستقبل کی نشان دہی' اور پھر بھی ہمارا شاعر شاعرانہ جذب کی باتیں کرتا ہے۔"

"تم اس لڑکی کی بہن ہو جس کی خاطر مَیں زمین سے رشتہ نہیں توڑ سکتا اور اِدھر تمہاری یہ ادا کہ میرے جذب دروں کو محض شاعرانہ بڑ سمجھتی ہو۔"

"شاعر! ثمریں کو آپ سے زیادہ میں جانتی ہوں۔ اگر وہ اس مہم میں ہمارے ساتھ ہوتی تو آپ دیکھتے کہ وہ ہم سے پہلے عملِ تجدید کے لئے ہاں کرتی۔"

"شاید کرتی نہ کرتی ـــــ مگر اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ آپ سب کا رویہ درست ہے اور میرا غلط۔ ثمریں سے میری محبت کا جذبہ لازوال ہے' مگر ثمریں کی محبت کے علاوہ بھی زمین سے میرے کئی رشتے ہیں۔ مجھے زمین کے دکھ عزیز ہیں۔ مجھے زمین کی بیوفائیاں عزیز ہیں۔ مجھے زمین کی نفرتیں بھی عزیز ہیں۔ آپ کو مبارک ہو کرۂ یاقوت کی شاندار زندگی کی یکسانیت ـــــــ مجھے تو زمین کی گوناگوں اور متضاد زندگی کی ادائیں عزیز ہیں۔"

جب کچھ نہ بن پڑا۔" زریں بولی۔ "تو قرابت پر اتر آئے ـــــ آپ کو کیا ہوگیا ہے شاعر ـــــ! کبھی نفرتیں بھی زندگی کا اساس بن سکتی ہیں ـــــ؟ کبھی زندگی کے تضادات بھی اچھے سماج کے ضامن بن سکتے ہیں ـــــ؟ شاہِ یاقوت نے نسلِ انسانی کے مفاد میں جن وسیع بنیادوں کی طرح ڈالی ہے' ان سے تو آپ مطمئن نہیں ہیں' لیکن زمین کی منفی بنیادوں پر محل کھڑے کر رہے ہیں اور اس پر بضد ہیں کہ آپ کی مجہول انفرادیت کو تسلیم کیا جائے ـــــ؟"

مَیں چند لمحے ٹکٹکی باندھے زریں کو دیکھتا رہا۔

وہ گھبرا کر بولی۔ "آپ سوچئے تو سہی۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں شاعر!

کیا ہم زمین والے دل کی گہرائیوں سے امر ہونے کے خواب نہیں دیکھتے ----؟
آپ شاعری کیوں کرتے ہیں ----؟ کیا آپ کے دل میں خواہش نہیں ہوتی کہ
لوگ موت کے بعد بھی آپ کے شعر اور آپ کے اقوال کا ذکر کریں اور آپ کسی
نہ کسی بہانے زندہ رہیں ---- ہم بڑی بڑی تاریخی عمارتیں اور یادگاریں کیوں
بناتے ہیں ----؟ یہی نا کہ تاریخ ہمیں یاد رکھے ---- لیکن اب' جبکہ مقدر نے
آپ کے سر پر امر ہونے کا تاج رکھ دیا ہے' تو آپ اس کے بوجھ تلے کراہ رہے
ہیں ---- ذرا سوچئے شاعر! زمین کی زندگی میں مسائل کے سوا دھرا ہی کیا ہے
---- روپیہ' پاؤنڈ' ڈالر' مارک' درہم' اور دینار کا چکر' سونے چاندی کے ذخائر کا
رونا' جنگوں کا خوف' فوجیوں کے دل کے دل' بیماریوں کی نت نئی یلغار' ٹھگنا' چھیننا'
دغا کرنا' قبضہ کرنا' اس کے سوا کیا ہے زمین پر' آپ ہی بتائیں' اس جھوٹ کی
نگری میں کیا دھرا ہے ----؟"

"زریں" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا "- زمین بہت بری ہے بہت
بری' میں مانتا ہوں' مگر میں اس لئے زمین پر رہنا پسند کروں گا کہ زمین واقعی بہت
بری ہے ---- میرا عقیدہ ہے برائی کا سامنا کرو' برائی سے لڑو' کیونکہ برائی سے
بھاگنا برائی کی فتح ہے۔ میں یہ بھی مانتا ہوں کہ زمین پر نفرتیں ہیں' زمین پر دھوکے
ہیں' زمین پر تضادات ہیں ---- مگر میں اس لئے نفرتوں میں زندہ رہنا چاہتا ہوں
کہ نفرتوں کا مقابلہ کروں۔ میں ان تضادات کو مٹانا چاہتا ہوں زریں! میں ان
تضادات سے بھاگنا نہیں چاہتا ---- میں نہیں چاہتا کہ زمین پر تاریکیوں کا راج
ہوجائے۔ رہا آپ کا معاملہ' تو زریں مانا کہ آپ ایک شاندار مستقبل کی طرف محوِ
پرواز ہیں ---- مانا کہ آپ زندۂ جاوید ہوچکی ہیں ---- اور یہ بھی مانا کہ آپ
جنسی آزادی سے بہرہ ور ہوں گی ---- مگر زریں نہ بھولنا سب کچھ پانے کے

باوجود بہت کچھ کھوئیں گی بھی آپ ----!"

"کیا کھوؤں گی شاعر----؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"محبت کھوئیں گی' ممتا کھودیں گی ---- آپ کا مسکن اب زمین نہیں کرۂ
یاقوت ہوگا جہاں نسلِ انسانی کی افزائش رک چکی ہے۔ زریں! عورت تو محبت اور
ممتا کا دوسرا نام ہے۔ یہ دونوں جذبے آپ کے 'قبضۂ قدرت' سے نکل جائیں گے'
تو باقی کیا رہ جائے گا آپ کے پاس ----؟ لذت کام و دہن' مستقل زیست اور
جنسیت! ٹھیک ہے اگر آپ اس پر خوش ہیں' تو خوش رہیں کیونکہ ---- فکر ہر
کس بہ ہمت اوست!"

زریں بالکل چپ ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں روشنیاں اور تاریکیاں گڈمڈ
ہورہی تھیں۔

معاً" گھنٹی بجی۔ یہ گھنٹی اس سے پیشتر بجنے والی گھنٹیوں جیسی نہ تھی
---- بلکہ یہ وارننگ کے انداز میں بج رہی تھی۔

دونوں فلک باز اٹھے۔

ایک ہمارے دائیں طرف دوسرا ہمارے بائیں طرف آکر کھڑا ہوگیا۔ ہم نے
تجسس سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ----

جونہی گھنٹی رک گئی ---- فلک بازوں نے ہمارے سروں سے ذرا اوپر دو
مختلف سوئچ دبائے۔

ہم نے محسوس کیا خلائی طشتری میں لرزش سی پیدا ہوئی۔

فلک بازوں نے اعلان کیا۔ "دوستو! ہمارا خلائی طیارہ خلا سے نکلا چاہتا ہے۔
ہم کرۂ یاقوت کی حد کشش میں داخل ہوا چاہتے ہیں۔"

میرے ساتھیوں کے چہرے دمک اٹھے۔ خود میرا بھی دل مچل گیا۔

"کیا ہمیں چھوٹا موٹا دھچکا لگے گا۔؟" رضا نے پوچھا ———

"نہیں' بالکل نہیں!" فلک باز بولا۔ "ہم نے خلا کی بے وزنی اور یاقوتی کشش کو بیلنس کردیا ہے ——— ہمارا طیارہ نہایت سبک روی سے حدِ کشش کو پار کرجائے گا۔"

"لیجئے!" دوسرے فلک باز نے اعلان کیا۔ "ہم کرۂ یاقوت کی فضاؤں میں داخل ہوگئے ہیں۔"

دونوں سوئچ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔

ہم سب پر ایک ہیجانی سی کیفیت طاری تھی ———

"آیئے۔ اب کرۂ یاقوت کی فضاؤں کو دیکھیں۔"

ایک فلک باز نے چھت پر لگے دو انچ قطر کے ایک سوئچ کو گھمایا۔ ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ طیارہ میں منڈھا ہوا سبز کپڑا تقریباً" ایک فٹ کے سائز میں خود بخود لپٹنا شروع ہُوا اور آدھا دائرہ بنا کر رک گیا۔ چھت اور فرش کے عین درمیان آدھے دائرے کا شفاف شیشے کا دریچہ کھل گیا جس سے کرۂ یاقوت کا آسمان اور فضا نظر آرہی تھی۔ فلک باز بہت خوش تھے۔

"آؤ آؤ دوستو دیکھو ——— شاہِ یاقوت بہ نفسِ نفیس اور غالباً" پورا کرۂ یاقوت آپ کے استقبال کے لئے موجود ہے۔

ہم چاروں بے تابی سے اٹھے اور اگلے لمحے جو کچھ دیکھا تھا شاید پھر کبھی نہ دیکھا جاسکے۔ کرۂ ارض کے چار عام آدمیوں کا ایسا عظیم الشان استقبال' کائنات میں اس سے قبل کسی کا کاہے کو ہوا ہوگا۔

دائیں بائیں اور سامنے تاحدِ نظر رنگ برنگی اڑن طشتریوں کا جال بچھا ہُوا تھا۔ مَیں ٹھیک سے کہہ نہیں سکتا تھا مگر....... اتنا تو کہہ سکتا ہوں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ یہ طشتریاں ہمارے چاروں طرف لوٹن کبوتروں کی طرح رقصاں تھیں اور فضا میں پھولوں کی برکھانے عجب سماں باندھ رکھا تھا۔

ہم حیرت زدہ' دیوانوں کی طرح' اس ہوشربا منظر میں کھو گئے تھے۔ ایک فلک باز نے ہماری توجہ یاقوتی رنگ کے طیارے کی طرف مبذول کی۔ "یہ دیکھو ——— اس یاقوتی رنگ کے طیارے میں شاہِ یاقوت بیٹھے ہیں۔"

ہم نے دیکھا ——— نیلے' پیلے' فیروزی' اودے' نارنجی' گلابی اور سبز، رنگ برنگی طشتریوں میں یاقوتی رنگ کی ایک ہی طشتری تھی جو سب سے مختلف' منفرد اور ممتاز لگ رہی تھی۔

یہ طشتری کبھی ہمارے اوپر' کبھی ہمارے آگے آگے پرواز کر رہی تھی۔ انسانی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک کرہ کے آدمی دوسرے کرّے میں قدم رکھ رہے تھے۔

ہم محوِ حیرت ان سبزی رو پہلی رنگین پھلجھڑیوں کو دیکھ رہے تھے جو ہمارے خلائی طیارے پر موسلا دھار بارش کی طرح برس رہی تھیں۔ اور لہراتی ہوئی۔ شفاف شیشوں کو چھوتی ہوئی غائب ہوجاتی تھیں۔

"فلک باز نے ایک بار پھر اعلان کیا۔ "دوستو! اب ہمارا رخ کرۂ یاقوت کی طرف ہے۔ ہم لحہ بہ لحہ نیچے جا رہے ہیں لیکن بے حد معمولی رفتار سے تاکہ آپ اس منظر سے کلی طور پر محظوظ ہوسکیں۔"

"اور لیجئے!" دوسرا فلک باز بولا۔ "فضا میں پھیلے ہوئے طیارے منظم ہوتے جارہے ہیں ——— شاہِ یاقوت کے طیارے کے پیچھے قطاریں بنتی جا رہی ہیں۔"

دیکھتے ہی دیکھتے ان گنت قطاریں بن گئیں ——— یاقوتی رنگ کا طیارہ آگے آگے تھا ——— یہ منظر دیدنی تھا ——— لاکھوں رنگ برنگی کونجوں کی طرح قطاریں،

نیلے آسمان کا پس منظر بالکل خواب جیسا۔ یہ خواب مزید حسین ہوتا چلا گیا ----
طشتریوں کی قطاریں کبھی عمودی ہوجاتیں' کبھی نیم دائروں اور کبھی دائروں کی شکل میں' کس کو پکڑیں' کس کو چھوڑیں' کسے دیکھیں اور کسے نہ دیکھیں ----

پھول تھے کہ فضائے بسیط میں پتنگوں کی طرح ڈول رہے تھے۔

پھلجھڑیاں تھیں جن کے رنگین شرارے فواروں کی طرح اچھلتے' ڈوبتے اور ڈوب ڈوب کر ابھرتے۔

میکانکی انداز میں یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا۔

ہم چاروں نے سرگوشی کی' نہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا ----

نہ ایک دوسرے کو متوجہ کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

یہ خیال بھی آیا کہ شاہِ یاقوت نے ہمیں زمین سے اٹھایا تو کوئی ایسا برا بھی نہیں کیا۔

یہ خیال بھی آیا اگر ہم میں سے کسی کو زمین پر واپسی نصیب ہوئی ----
آنکھوں نے جو دیکھا زبان نے بیان کیا تو کون یقین کرے گا ----؟

خوابوں کو بھی آج تک کسی نے پکڑا ہے ----؟

بہرحال جو کچھ بھی تھا حیرت ناک تھا' خواب ناک تھا۔

شاہِ یاقوت کی تنظیمی امور کی مہارت اور طاقت کا شدید احساس ----

اس بے پناہ طاقت اور غیر معمولی تنظیم کو دیکھ کر یہ خیال بھی آیا---- شکر ہے شاہِ یاقوت زندگی کے مثبت رویے پر یقین رکھتا ہے' ورنہ وہ کائنات کے بیشتر حصے کو پلک جھپکتے میں تہس نہس کرسکتا تھا----

اپنے متعلق سوچا کہ زمینی مخلوق کا ادنیٰ سا فرد' لیکن یہ انسانی انا بھی کتنی طاقتور چیز ہے کہ شاہِ یاقوت کو جھٹلانے سے بھی باز نہ آیا اور شاہِ یاقوت کتنا حلیم الطبع اور متین' کہ میری ہمہ دانی یا نادانی پر ذرا بھی چیں بہ جبیں نہ ہوا۔

ایک اور اعلان ہوا۔ "زمینی دوستو! مژدہ جانفزا' نیچے نظر ڈالو۔ کرۂ یاقوت آپ کے سامنے ہے!"

کیا بتاؤں کیا دیکھا' کچھ دیر پہلے جو دیکھا' ہیچ تھا ----
تاحدِ نظر' افق تا افق' اِک نگری تھی آباد طلسم ہوشربا کی ----
سرخ یاقوت کے سر بفلک پہاڑ۔
سرخ یاقوتی ذرات کی سرخ زمین۔
سرخ درخت' سرخ پودے' سرخ پتے ----'
سرخ ندی نالے' سرخ دریا اور سرخ پانی ----'
یاقوت کے پہاڑ کہ مانند شیشہ تاباں و تپاں ----'
زمین پر پھیلے ہوئے سرخ ذرات کے مانند انجم رقصِ کناں ----'
سرخ درخت کہ مانند آتشِ شعلہ فشاں ----'
سرخ پودے کہ مانند دلہن خوباں و شاداں ----'
سرخ پتے کہ مانند گل' گل بداماں ----'
سرخ ندی نالے کہ مانند افق' آتش بہ زباں ----'
سرخ دریا کہ مانند شفق' لرزاں فروزاں ----
اور آبِ سرخ کہ مانند لہو جسم جاناں میں' رواں دواں----
اور سرخ زار' یوں کہیئے جیسے زمین پر مرغزار اور سبزہ زار ----
کرۂ یاقوت کے چاروں اور سرخ زار بچھا ہوا تھا----
جس میں کوئی اور رنگ نہیں تھا۔
جو نیلے آسمان کی طرح بے داغ تھا----

جوں جوں طیارہ نیچے ہوتا جا رہا تھا ــــــ

توں توں سرزمین بے آئین کا جلوہ سرچڑھ رہا تھا ــــــ

ہمارے سامنے ایک کھلی کشادہ وادی جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔ ہم لوگ زمین پر گھروں میں سنگِ مرمر کا فرش بچھاتے ہیں تو اس کے حسن سے محظوظ ہوتے ہیں' مگر یہاں تو میلوں تک صاف شفاف شیشے کی مانند سرخ یاقوت کا فرش۔

ــــ

ایسا چکنا' ایسا ہموار کہ منجمد پانی کا گماں ہو۔

طیارہ ہیلی کاپٹر کی طرح سیدھا نیچے جا رہا تھا ــــ

"ارے ــــ!" مارے حیرت کے زریں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "یہ خلقت دیکھئے ــــ!!"

ہم سب اس طرف لپکے دائیں جانب' جہاں زریں اکیلی کھڑی تھی۔ نیچے لاکھوں کی تعداد میں کرۂ یاقوت کے لوگ دائروں میں کھڑے تھے اور رنگ برنگی جھنڈیاں لہرا رہے تھے۔ ہمارے سینے خوشیوں سے لبریز تھے۔ یہ نئی دنیا عجیب تھی' عجیب تر تھی۔ یہ نئے لوگ خوبصورت تھے' خوبصورت ترین تھے اور اس خوبصورتی میں سائنس کا عمل دخل تھا۔ ہم زمین والوں کے لئے لمحۂ فکریہ تھا کہ سائنس کی طاقت سے پلک جھپکتے میں ہیروشیما اور ناگاساکی کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا تھا' مگر یہاں' جہاں کی سائنس ہم سے کئی ہزار سال آگے تھی ــــ اس کا کردار کیا تھا ــــ؟

یعنی امن و حسن کی تخلیق! اور یہ کام وہ انجام دے چکے تھے۔

طیارہ اب کافی نیچے آگیا تھا۔ یاقوتی فرش کا حسن دو چند ہوگیا تھا۔ جگمگ جگمگ کرتے ہوئے فرش پر سورج کی کرنوں سے ستارے بن اور ٹوٹ رہے تھے۔

کرۂ یاقوت کے لوگ بھی اب صاف نظر آرہے تھے۔ عورتوں نے رنگا رنگ لباس پہن رکھے تھے' مگر مردوں کا لباس وہی تھا جو خلا بازوں کا تھا۔ جمناسٹک کے کھلاڑیوں کی طرح' گردن سے پیروں تک فٹ لباس میں' عورتوں کے جسم کے خوبصورت زاویے زہد شکنی کی کھلی دعوت تھے۔

ایسا لگا گویا ہم جل پریاں دیکھ رہے ہیں جو سمندر سے اچھلیں کرۂ یاقوت میں گریں اور انسان کے روپ میں مجسم ہوگئیں۔

عین اس لمحے ہمارے طیارے نے یاقوتی فرش چھو لیا۔

خلا میں ہمارے سفر کے دو سال مکمل ہو چکے تھے' نہ ایک سیکنڈ پہلے' نہ ایک سیکنڈ پیچھے' بالکل مقررہ وقت پر طیارے کا دروازہ کھل گیا۔

خوشبوؤں کی ایک لہر آئی' ہماری روحوں کو گدگدا گئی ــــ ایسی خوشبو زمین کے انسان کو کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ ابھی ہم خوشبو کے سحر کو محسوس ہی کر رہے تھے کہ ایک ملکوتی نغمے نے ہمارے جسم و جاں کو مسحور کر لیا۔ ایسا نغمہ بھی ہم نے زمین پر کبھی نہ سنا تھا ــــ جو روح ہی میں نہیں جسم و استخواں تک میں سرایت کر رہا تھا۔

فلک بازوں نے مسکرا کر ہماری طرف دیکھا۔ انہوں نے بھی زمینی روایت برقرار رکھی۔ "مس زریں! پہلے آپ' اس کے بعد ہم سب نکلیں گے۔"

زریں کا چہرہ خوشی سے گلنار ہوگیا ــــ

وہ محجوب و مسحور دروازے کی طرف بڑھی ــــ اس کے پیچھے میں تھا۔ میرے پیچھے ڈاکٹر ضیاء اور پھر رضا' اور آخر میں دونوں فلک باز۔ دو سیڑھیاں اتر کر جونہی زریں نے یاقوتی فرش پر قدم رکھا' کرۂ یاقوت کے لوگ خوشی سے دیوانہ وار چلا اٹھے۔

اب ہم سب باہر آگئے تھے۔ دائیں اور بائیں سے رقص و نغمہ کی اَن گنت ٹولیاں ہماری طرف بڑھ رہی تھیں۔ فلک بازوں کے کہنے پر ہم سب ایک قطار میں کھڑے ہوگئے تھے۔

خوشی اور مسرت کی بے پناہ یلغار نے ہمیں بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ بالکل فلک بازوں کا ہم شکل ایک متبسم نوجوان سبک خرامی سے ہماری طرف آرہا تھا۔ اس کی چال میں بیحد تمکنت تھی۔

ہمارے پاس کھڑے فلک باز دھیرے سے بولے۔ "شاہِ یاقوت تشریف لا رہے ہیں۔"

ہم دم بخود' ہمارے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ احترام و عقیدت الگ' تو یہ ہے وہ شخصیت ——! جس کی سیر چشمی اور شعور نے کرۂ یاقوت کو جنت بنادیا ہے۔

جوں جوں وہ ہمارے قریب ہوتا گیا اس کی شخصیت کا جلال ہماری روحوں کو جکڑتا جارہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ہمارے قریب آکر رک گیا۔ ہم اس کی آنکھیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ اس کی آنکھیں یاقوت کی طرح سرخ تھیں' جبکہ فلک بازوں کی آنکھیں سیاہ تھیں —— البتہ اس کی شکل فلک بازوں جیسی تھی۔

اس نے سب سے پہلے زریں کا جائزہ لیا —— وہ مسکرا رہا تھا۔

پھر میری طرف متوجہ ہُوا اور متبسم چہرے سے بغور دیکھتا رہا۔

پھر ڈاکٹر ضیاء اور رضا کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ فلک بازوں کو اس صبر آزما مشن کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ فلک باز خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔

شاہِ یاقوت دوبارہ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔

"کرۂ زمین کے ساتھیو! کرۂ یاقوت پر قدم رکھنے پر ہم ایک بار پھر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں —— ہو سکتا ہے ہزار سال بعد آپ ہمارے کرے میں اور ہم آپ کے کرے میں آزادانہ آجاسکیں' اور یہ سفر بہت آسان ہوجائے' لیکن اس وقت آپ کا یہاں موجود ہونا تاریخِ انسانی کا سب سے اہم واقعہ ہے کہ کائنات کے دو کرّوں کے لوگ آمنے سامنے کھڑے ہیں۔ شائد آپ کو اندازہ ہُوا ہوگا کہ آپ کی آمد پر ہم کتنے خوش ہیں —— ہمارے لوگ کتنے خوش ہیں —— ہم اور ہمارے لوگ پورے چار سال سے آپ کے لئے چشم براہ ہیں۔ کرۂ یاقوت میں آپ جس طرف بھی جائیں گے' جس سمت بھی جائیں گے' لوگ صدقِ دل سے آپ کو گلے لگائیں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ کرہ یاقوت میں محبتیں ہی محبتیں ہیں —— یہاں کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہاں حسن کی فراوانی ہے اور عشق کی ارزانی ہے —— آج سے آپ کو وہ تمام مراعات حاصل ہیں جو خود ہمیں حاصل ہیں اور ہمارے لوگوں کو حاصل ہیں —— ہمارے لوگ ہمیں شاہِ یاقوت کہتے ہیں۔ محض اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ سماجی' تہذیبی' اخلاقی اور قانونی طور پر ہمیں ان پر کوئی فوقیت حاصل نہیں —— ہم نے مل جل کر زندگی کا ایسا ڈھانچا مرتب کیا ہے کہ زید' عمر' بکر ہر آدمی کی انا کا ستارہ چمکتا رہے اور عزتِ نفس کا پرچم لہراتا رہے —— ہم نے برسہا برس تک جدوجہد جاری رکھی کہ اس خطے سے ہر طرح کے کامپلیکس کو نکال باہر کیا جائے اور ہم اس میں کامیاب رہے۔ آج یہاں کسی طرح کا احساسِ محرومی' احساسِ کمتری اور احساسِ برتری کا وجود باقی نہیں رہا۔ ہم اور ہمارے لوگ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں سے موت کا جنازہ اٹھ چکا ہے' بیماریوں کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔ جنگوں کا' عداوتوں کا' نفرتوں کا' حقارتوں کا اور بغاوتوں کا قافلہ بھی رخصت ہوچکا ہے۔ جھوٹ' بددیانتی' خیانت' عصبیت کے الفاظ ہمارے لئے حرفِ غلط ثابت ہو چکے ہیں —— ہم نے بیماریوں کی طرح شر کا جرثومہ بھی نیست و نابود کر دیا ہے۔ ہم نے انسانی فطرت کی نیکی کو امر کردیا اور

انسانی سرشت کے زہر کو جلا کر راکھ کر دیا ——— آخر کیوں نہ کرتے ۔ کیا ضروری تھا کہ ہم بھیڑیے کی درندگی کو پروان چڑھاتے۔ ہم فاختہ اور کبوتر کی فطرت کیوں نہ اپناتے کہ امن اور حسن کی علامت ہیں ——— اور ہم نے یہی کیا دوستو! ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی عملِ تجدید سے گزر کر خود کو اس روپ میں ڈھال لیں تاکہ دوئی ختم ہوجائے اور آپ ہماری اکائی میں ضم ہوجائیں۔ یہ حکم نہیں درخواست ہے اور ہاں ——— کوئی جلدی بھی نہیں۔ آپ کرۂ یاقوت میں چل پھر کر دیکھیں۔ ہماری زندگی' ہمارا سماج اور ہماری تہذیب کا بغور مطالعہ کریں ——— اگر آپ کو یہ سب اچھا لگے تو ہم میں شامل ہوجائیں ورنہ آپ کو اختیار ہوگا کہ اپنی صورتوں اور فطرتوں کے ساتھ زندہ رہیں کیونکہ آپ ہمارے مہمان ہیں اور ہمیں احساس ہے کہ ہم آپ کو آپ کی اجازت کے بغیر کرۂ یاقوت پر لائے ہیں۔"

جب تک شاہِ یاقوت بولتے رہے مکمل سناٹا چھایا رہا———

ہم میں سے کسی نے بھی جب شاہِ یاقوت کو جواب نہ دیا' تو مَیں نے عقیدت سے کہا۔ "میرے تینوں ساتھی عملِ تجدید کا فیصلہ کرچکے ہیں۔ البتہ مَیں اس پر سوچوں گا' غور کروں گا۔ آپ کی باتوں سے میرا سینہ بھر بھر گیا ہے۔ میں کرۂ یاقوت کے لوگوں کے حسنِ سلوک اور آپ کی عالی ظرفی کو سلام کرتا ہوں۔"

شاہِ یاقوت ہنس پڑے۔ ان کی ہنسی بے حد دلفریب تھی۔

"ٹھیک ہے شاعر! آپ کو فیصلہ کرنے میں آزادی ہے۔"

"شکریہ' محترم شاہِ یاقوت شکریہ!"

"آیئے۔" شاہِ یاقوت نے مجمع کی طرف دیکھا۔ "ہمارے لوگ زمین کے آدمیوں کو قریب سے دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہے ہیں۔"

شاہِ یاقوت کی رہنمائی میں فلک بازوں سمیت ہم مجمع کی طرف بڑھے۔ لوگ خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔

ملکوتی موسیقی کی لہر پھر سے اُبھری۔

دائیں بائیں کی ٹولیاں پھر سے محوِ رقص ہوگئیں۔

ہم پریشانی کی حد تک حیران اور بوکھلائے ہوئے تھے۔ اس طرح کا استقبال' اس طرح کی عزت و احترام کا تصور تو خواب میں بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہم کرۂ یاقوت کے لوگوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہی مردوں کی ایک جیسی شکلیں' سیاہ آنکھیں' تروتازہ اور شگفتہ چہرے ۔ عورتوں کی شکلیں البتہ ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ ان کی آنکھیں بڑی بڑی' سبزی مائل' نیلگوں' تھیں جو ان کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے شاداب چہروں پر ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

کہنے کو تو یہ عورتیں تھیں مگر کسی کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہیں لگ رہی تھیں۔ وہ جو زمین پر کوہ قاف کی پریوں کا تصور ہے' مبالغہ نہ ہوگا اگر میں کہوں کہ یہاں پریوں کے غول کے غول تھے۔

کوئی سبز پری تھی' کوئی نیلم پری تھی اور کوئی سرخ پری۔ یہ ساری پریاں رنگین چست لباسوں میں ہنس ہنس کر تالیاں بجا رہی تھیں۔ ان کے ہونٹوں اور رخساروں پر پھول کھل رہے تھے اور آنکھوں میں جگنو دمک رہے تھے۔

وہ ہمارے مختلف لباسوں کو دیکھ کر حیران اور خوش ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر ضیاء اور رضا نے سوٹ پہن رکھے تھے۔ مَیں کرتے اور شلوار میں تھا اور زریں گلابی ساڑھی پہنے ہوئی تھی۔

ہم برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک اجتماع سے دوسری اجتماع تک' ایک دائرے سے دوسرے دائرے تک۔ خوش وہ بھی تھے' خوش ہم بھی تھے۔ حیرت زدہ وہ بھی تھے' حیرت زدہ ہم بھی تھے۔

دونوں کروں کے آدمیوں کی جسمانی ساخت ایک جیسی تھی' البتہ انہیں یہ امتیاز حاصل تھا کہ زمین کے حسین ترین آدمیوں سے بھی ان کا حسن کئی صد گنا زیادہ تھا۔

دوسرا فرق یہ تھا کہ زمین پر کوتاہ قد لوگوں کے علاوہ طویل القامت بھی ہیں۔ دبلے بھی اور موٹے بھی' کالے بھی اور گورے بھی' مگر وہاں ایسا نہیں تھا۔ مردوں کے قد چھ فٹ سے کچھ زیادہ لیکن ایک جیسے' بالکل ایک برابر۔ رنگ گلابی جیسے پگھلے ہوئے یاقوت اور دودھ کے مرکب سے مجسم ہوں۔ بدن ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے نہ سوتر کم' نہ ہوا بھر زیادہ۔ پنڈلیوں' کولھوں' چھاتیوں اور شانوں کی خوبصورت گولائیاں' پورے جسم کی ایسی نسبت۔

گویا کسی ماہر فن سنگتراش کے شاہکار۔

زریں نے کنکھیوں سے فرش کی طرف اشارہ کیا۔ چمکتے ہوئے شفاف یاقوتی فرش میں ہمارے عکس صاف نظر آرہے تھے جو ہمزاد کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔

شاہِ یاقوت ایک دائرے سے دوسرے دائرے کی طرف ہماری رہنمائی کرتے۔

ان کا سلوک اس قدر محبانہ اور محبت سے لبریز تھا گویا ہم لوگ کسی بے حد اہم سفارتی مشن پر آئے ہوں اور ہماری دوستی کا حصول کرۂ یاقوت کے لئے بے حد ضروری ہو۔

مردوں کے سلسلے میں تو کوئی مشکل نہ تھی کہ ایک طرح کی شکلیں تھیں' لیکن عورتوں کے متنوع حسن نے ہمیں حد درجہ حیران اور پریشان کر رکھا تھا۔۔۔۔جہاں نگاہ ٹکی' بس ٹک کے رہ جاتی۔

لیکن اگلا لمحہ اس سے بھی زیادہ کڑا ہوتا کہ ذرا نگاہ پھسلی' تو حسنِ بے مثال

کی ایک اور جلوہ افروزی' پھر ایک نئی صورت ۔۔۔۔

پھر اس سے بھی زیادہ نئی صورت ۔۔۔۔'

ہر شکل' شکل منتخب۔

گمان یہ ہو کہ بس پہلا بھی یہی' آخری بھی یہی ۔۔۔۔'

گویا پلک جھپکتے جاؤ اور امتحان پر امتحان دیئے جاؤ۔

اور اِدھر دلِ ناتواں کی یہ کیفیت کہ ہر دھڑکن پر حلق تک اچھلے' اور ہر سانس پر ڈوب ڈوب جائے ۔۔۔۔'

تین چار گھنٹے میں استقبالیہ سلسلہ ختم ہوا۔ ہم ایک ٹولی سے دوسری ٹولی کی طرف جاتے رہے' مگر تھکاوٹ کا احساس بھی اس کرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوچکا تھا۔۔۔

جب ہم واپس خلائی طشتری کی طرف آئے' تو دیکھتے ہی دیکھتے نقشہ بدل گیا۔ فلک باز نے بٹن دبایا تو خلائی جہاز کی گول چھت سبک رفتاری سے نیچے آکر سیٹوں میں بدل گئی۔

دوسرے فلک باز نے دوسرا بٹن دبایا تو ایک بار پھر میوزیکل بار سنائی دیا۔ اس میوزیکل بار کے ساتھ طشتری کے پیٹ میں سے چار چھوٹے چھوٹے پہیے نکل آئے۔ یہ چپٹی گول مول سی چیز تھی جسے ہم موٹر نہیں کہہ سکتے تھے مگر اگلے لمحے وہ موٹر ہی کا کام دے رہی تھی۔ کیونکہ ہم سب اسی میں بیٹھ گئے تھے اور شاہِ یاقوت بنفسِ نفیس ڈرائیو کر رہے تھے۔۔

لیکن یہ ایسی موٹر تھی کہ نہ انجن کی آواز اور نہ سڑک پر چلنے کا احساس ہوتا تھا بلکہ محسوس ہوتا تھا کہ کوئی بادبانی کشتی تیزی سے رواں دواں ہے۔

میلوں تک سرخ پتھر کے سمندر پر تیرتے ہوئے ہم ایک عالیشان سلسلہ ہائے

کوہ کے دامن میں پہنچ گئے۔

یاقوت کے اس بلند و بالا اور سربفلک پہاڑ کی عظمت دیدنی تھی۔

تاحدِ نظر' دامنِ کوہ میں سرخ گھاس کا قالین بچھا ہُوا تھا اور جگہ جگہ مختلف اشجار کے جھنڈے پھیلے ہوئے تھے۔

ان اشجار کے پتے' ٹہنیاں اور تنے سرخ تھے۔

یہ سب درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔

ایسے پھل ہم نے زمین پر نہیں دیکھے تھے۔

یہاں بھی کثیر تعداد میں لوگ ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے جو حسبِ معمول تالیاں بجا بجا کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

یقیناً" کرۂ یاقوت کے ہر فرد کو ہماری آمد کی اطلاع تھی ــــــ معلوم ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ اہم خبر کرۂ یاقوت کے لوگوں نے نہ سنی ہوگی۔

یہ بالکل ایسا ہی تھا کہ کائنات کے کسی کرے کا آدمی زمین پر اتر آئے تو کرۂ ارض کی چار ارب کی آبادی میں تہلکہ مچ جائے اور ہر آدمی اس نئی مخلوق کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہو۔

جہاں لوگ استقبال کے لئے کھڑے تھے' ان کے بائیں جانب ایک چھوٹی سی نہر بہہ رہی تھی جس میں شربت روح افزا کی طرح سرخ پانی بہہ رہا تھا۔اس نہر کو ہم نے یاقوتی پل کے ذریعے پیدل پار کیا۔

اب ہمارے سامنے برف کی بڑی بڑی سلوں کی طرح یاقوت کے پتھر کی چمکتی ہوئی سڑک تھی جس کے دو رویہ بڑے بڑے سرخ پھولوں کے پودوں نے سماں باندھ رکھا تھا۔یہاں ہم نے ایک اور حیرت ناک نظارہ دیکھا۔

سڑک کے دونوں طرف خوبصورت لڑکیوں کی قطاریں تھیں ہر لڑکی کے کندھوں پر دو سرخ فاختائیں بیٹھی ہوئی تھیں۔

جونہی ہم نے شاہِ یاقوت کی معیت میں پل عبور کیا اور سڑک پر قدم رکھا' فاختائیں ایک ایک کرکے اڑتیں' ہمارے سروں پر پھڑ پھڑا کر رقص کرتیں اور رقص کناں آگے نکل جاتیں۔

فاختاؤں کے سرخ پروں کی پھڑپھڑاہٹ کا سنگیت اس وقت تک جاری رہا جب تک ہم دامنِ کوہ میں آباد سرخ شہر میں داخل نہ ہوگئے۔

کرۂ یاقوت کی دوسری نیرنگیوں کی طرح یہ شہر بھی ایک عجوبہ تھا۔

یاقوتی پہاڑ جس میں مٹی کا ایک ذرہ بھی نہیں تھا اور شیشے کی طرح چمک رہا تھا، اس طرح کاٹا گیا تھا کہ دور سے پہاڑ معلوم ہوتا تھا' لیکن دراصل وہ ایک شہر بے مثال تھا جہاں ہر فرد کے لئے ایک وسیع اور خوبصورت کمرہ تعمیر ہُوا تھا۔

ان کمروں کے فرش' دیواریں اور چھتیں بھی سنگِ یاقوت سے تراشیدہ تھیں ــــــ ان کے دروازے بھی سنگِ یاقوت کے تھے جو بٹن دبانے سے کھلتے تھے اور بٹن دبانے سے بند ہوجاتے تھے۔

کمروں کے یہ سلسلے سیڑھیوں کی طرح پہاڑ کی چوٹی تک چلے گئے تھے۔ یہ میلوں تک پھیلی ہوئی سیڑھیاں تھیں جس کے طول و عرض کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کھیلوں کے سٹیڈیم کی طرح دو دو فرلانگ کے فاصلے پر سنگِ یاقوت کی سڑکیں پہاڑ کی چوٹی تک چلی گئی تھیں۔

دامنِ کوہ کے وہ گھر جہاں سے اس شہر بے مثال کی ابتدا ہوتی تھی' سنگِ یاقوت کی چوڑی اور خوبصورت سڑک ان گھروں کے سامنے سے گزرتی ہوئی پورے پہاڑ کے دامن کو محیط کئے ہوئے تھی۔

پہلی قطار کے کمروں کی چھتوں کی ساخت ایسی تھی کہ دوسری قطار کے کمروں

کے لئے سڑک کا کام دیتی تھی۔ یہ اصول اوپر چوٹیوں تک کارفرما تھا۔

ہر کمرے کے ساتھ منسلک ایک خوبصورت گول کمرہ تھا جس میں چپٹی گول گاڑی (خلائی طشتری) کھڑی تھی جس میں ہم ابھی ابھی سفر کرکے آئے تھے۔ مکینانِ کرۂ یاقوت کو آزادی تھی کہ وہ جب چاہیں' جیسا چاہیں' اس گاڑی کو استعمال کریں۔

کمروں کی ترتیب و تقسیم بھی ہمارے نقطۂ نگاہ سے بے حد معنی خیز تھی۔ ایک کمرے میں مرد' دوسرے میں عورت' پھر مرد' پھر عورت۔

کمروں کی منتقلی کی میعاد چھ ماہ تھی۔ جو چوٹی پر ہے وہ اوپر سے دوسری منزل میں آجاتا تھا۔ دوسری منزل والا تیسری منزل پر' حتیٰ کہ سب سے نیچی منزل والا چوٹی پر پہنچ جاتا تھا۔

سارے کمروں کی آرائش و زیبائش ایک جیسی' دوسری سہولتیں ایک جیسی۔ شاہِ یاقوت ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ وہ انتہائی محبت سے کرۂ یاقوت کی زندگی کی جزئیات سے ہمیں آگاہ کر رہے تھے۔

اس انکشاف پر ہم بے حد حیران ہوئے کہ وہاں بجلی کا نظام متروک ہو چکا ہے بلکہ ان کی زندگی کا ہر شعبہ سورج کی توانائی سے منور اور مقدر ہے۔

ہم شاہ یاقوت کے اس انکشاف سے مزید حیران ہوئے کہ ان کا کرۂ یاقوت کسی اور نظام شمسی کا سیارہ ہے۔

سورج کی توانائی کے بڑے بڑے سٹور ہیں جو میکانکی انداز میں حسبِ منشا اور حسبِ ضرورت روشنی اور قوت مہیا کرتے ہیں۔

بٹن دبایا اور دل لبھا دینے والے شعلے سے کمرہ منور ہوگیا۔ بٹن دبایا اور حسبِ ضرورت کمرے کا ٹمپریچر سیٹ کرلیا۔

اگر کمرے کی روشنی کا رنگ بدلنا مقصود ہو تو بٹن دباتے جائیں' آفتابی شعلہ رنگ بدلتا جائے گا۔

سب سے پہلے ہم جس کمرے میں داخل ہوئے وہ ہمارے ساتھی فلک بازوں میں سے ایک کا تھا۔ اس کمرے کا حسن دیکھ کر ہم دنگ رہ گئے۔ سرخ یاقوتی دیواریں' سرخ فرش اور سرخ چھت۔ فلک باز نے بٹن دبایا تو سامنے کی دیوار میں مشعل نما فیروزی شعلہ بھڑک اٹھا۔۔۔۔ لرزتے ہوئے شعلے نے یاقوتی دیواروں میں آبِ رواں کا سا سماں پیدا کردیا۔

ایسا مرعوب کن منظر زندگی میں شاید ہی دیکھنے کو ملے۔

یہ وسیع و عریض کمرہ تھا جس میں ایک خوبصورت اور بے مثال پلنگ کے علاوہ عجیب و غریب صوفے تھے۔ سنگِ یاقوت کے مختلف سائز کی میزیں مناسب جگہوں پر رکھی ہوئی تھیں۔

پلنگ پر جو چادر بچھی ہوئی تھی' وہ کوئی آسمانی چیز معلوم ہوتی تھی اور پلنگ کا تو ذکر ہی کیا کہ روئے زمین پر اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

بادشاہ بھی دیکھیں تو احساس کمتری میں مبتلا ہوجائیں اور اس پلنگ پر ایک کروٹ لینے کی حسرت میں تاج و تخت کو تیاگ دیں۔

صوفہ ایسا کہ اڑتے پرندے کا احساس ہو' صوفے پر منڈھا ہوا کپڑا اتنا دلفریب کہ فریبِ نظر کا گمان ہو۔

فلک باز نے ایک اور بٹن دبایا تو جانے پہچانے میوزک بار کے ساتھ یاقوتی دیوار میں ایک سنگی الماری برآمد ہوئی جس میں فلک باز کے مختلف لباس سجے ہوئے تھے۔

اس طرح کا ایک اور بٹن دبانے سے سنگی فریج نمودار ہوا جس کے اندر کرۂ یاقوت میں پیدا ہونے والا ہر پھل موجود تھا۔

ہم اس لمحے بالکل ششدر رہ گئے جب مانوس میوزیکل بار کے ساتھ ہمارے سامنے ایک طلسم خانہ کھل گیا۔ دراصل یہ آئینہ خانہ تھا جسے فلک باز غسل خانہ کہہ رہا تھا۔

آبِ سرخ کا فوارہ چھوٹا تو آئینہ خانہ سچ مچ طلسم خانے میں بدل گیا۔ چاروں طرف سرخ موتیوں کی بارش ہو رہی تھی۔

حیرت زدہ تو ہم سب ہی تھے مگر زریں کی کیفیت دیدنی تھی۔ وہ بری طرح بوکھلائی ہوئی تھی۔

فلک باز سے پانچویں نمبر پر اسی قطار میں شلوِ یاقوت کا کمرہ تھا ـــ اس کمرے میں دو حسین و جمیل لڑکیوں نے ہمارا استقبال کیا۔ فلک باز کے کمرے اور شلوِ یاقوت کے کمرے میں کوئی فرق نہیں تھا۔فرنیچر بھی بالکل ویسا تھا۔

شلوِ یاقوت کے کردار کی عظمت کا ہمیں مزید احساس ہوا کہ اس نے انسانی عزتِ نفس اور برابری کی کیسی مثالی جنت بنائی تھی مگر اس پر بھی کوئی گھمنڈ نہیں تھا۔

ہم لوگ دائرے میں بیٹھ گئے۔ بیچ میں سنگی میز پر کھانے پینے کی چیزیں سجی ہوئی تھیں۔

لڑکیوں نے باری باری ہمیں آبِ سرخ کا گلاس پیش کیا۔ کرۂ یاقوت پر پہنچنے کے بعد یہ پہلی چیز تھی کہ ہمارے حلق سے اتر رہی تھی ـــ

یا اللہ ـــ! یہ کیسا مشروب تھا ـــ؟ کم از کم انسانی شعور اس ذائقے کی کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہے ـــ!

شلوِ یاقوت نے یہ بتا کر ہمیں مزید حیران کردیا کہ یہ عام پانی ہے اور کرۂ یاقوت کے دریاؤں اور نہروں میں یہی پانی بہتا ہے!

اب ہمیں اندازہ ہوا کہ جس پانی کے ذائقے میں دودھ' شہد اور زمین کی دوسری مشروبات محض ہیچ ہیں' اس کی آبیاری سے پیدا ہونے والی پیداوار کی شیرینی اور لذت آفرینی کیا ہوگی۔

اس بے پناہ لذت کا تھوڑا بہت تجربہ ہم خلاء میں کرچکے تھے۔

دونوں بے حد غیر معمولی خوبصورت لڑکیوں نے پھل کاٹ لئے تھے' اب وہ باری باری ایک ایک قاش سب کو پیش کر رہی تھیں۔

کیا کہا جائے ـــ! یہ کیسے ذائقے تھے ـــ؟

مَیں نہیں کہہ سکتا کہ لذت بوسہ سے بھی کوئی ذائقہ لذیذ ہوسکتا ہے۔ مگر بلا مبالغہ یہ ایسے ذائقے تھے جسے میں آسمانی اور الہامی ذائقے کہہ سکتا تھا۔ کام و دہن کی کیفیت اپنی جگہ ـــ' ہماری تو روحیں بھی اس کیف و لذت سے سرشار ہو رہی تھیں۔

مَیں نے ان لذت آفریں ذائقوں پر حیرت کا اظہار کیا تو شلوِ یاقوت نے کہا۔
"یہ ذائقے ہمارے برسہا برس کے تجربوں اور محنتوں کا حاصل ہیں' خصوصاً" پانی کے ذائقے پر صدیوں کی کاوش کے بعد ہم قادر ہوسکے اور یہ سائنسی عمل ہے ـــ ہم سورج کی حدت اور دوسرے کیمیائی اجزا کے مرکب سے ایسی توانائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ دریاؤں اور چشموں کے منبع سادہ پانی کی جگہ آبِ فیض اگلنے

لگے۔ ہماری پیداوار اور پھلدار درختوں نے آبِ فیض چکھا تو کرۂ یاقوت کے آدمیوں کی طرح ہمارے پودوں اور درختوں کا خمیر بھی بدل گیا۔ نیکی ان کے مزاج میں اس طرح رچ بس گئی جیسے خون جسم میں رواں دواں رہتا ہے۔ یہ ذائقے اسی نیکی کے مرہونِ منت ہیں۔"

اگر ہم زمین پر ہوتے تو ایسی باتیں کبھی نہ مانتے مگر کرۂ یاقوت میں پہنچ کر کوئی بات انہونی اور بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتی تھی۔

ابھی ہم میں سے کوئی بھی عملِ تجدید سے نہیں گزرا تھا' لیکن یہاں کی تہذیب اور ترقی دیکھ کر ہر بات ماننے کو جی چاہتا تھا۔

سائنس اور شعور کے کمال پر یقین آجاتا تھا۔

ہر چند کہ یہاں کی زندگی قابلِ رشک تھی۔ یہاں کا حسن' خصوصاً" عورتوں کا حسن' اتنا اثر انگیز تھا کہ انسان صرف اسی کی خاطر کائنات کی دوسری آسائشوں سے بے نیاز ہو جائے۔

مگر یہ شاید میرے جنوں کا اثر تھا یا ثمریں کی محبت تھی یا زمین کی لگن کہ مجھے کسی کمی کا احساس ہوتا تھا۔

کچھ دیر بعد دونوں لڑکیوں کی رہنمائی میں ہمیں اپنے اپنے کمروں میں پہنچا دیا گیا۔ ہم سب کے کمروں میں وہ ساری سہولتیں موجود تھیں جو ہم فلک بازوں اور شاہِ یاقوت کے کمروں میں دیکھ آئے تھے۔

ایک مرد ایک عورت کے اصول سے کمروں کی تقسیم ہوئی۔

ان کمروں کے مالکانہ احساس سے میرا سینہ بھر بھر آیا۔

ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا کمرہ میرے پہلو میں تھا۔ وہ اس وقت میرے کمرے میں موجود تھی۔ وہ مختلف سوئچوں اور ضرورت کی دوسری اشیاء کی میکنزم سمجھا رہی تھی۔

آخر میں اس نے مسکرا کر ایک ایسا سوئچ دبایا کہ دونوں کمروں کی مشترکہ دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ کھل گیا۔

اس نے لگاوٹ سے میری طرف دیکھا۔

"آپ کو جب بھی میری ضرورت ہو گی' یہ بٹن دبا لیا کریں!"

ایسا لگا ـــــ کہ میرا دل سینہ پھاڑ کر باہر نکل آیا ہے اور مچھلی کی طرح یاقوتی فرش پر تڑپ رہا ہے۔

مَیں بوکھلایا ہوا اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سکون تھا۔ محبت تھی' ٹھہراؤ تھا اور وہ میری طرح مضطرب نہیں تھی۔

جنسی احتیاج کی مضطربانہ کیفیت جو زمین کے انسان کا مقدر ہے ـــ غالباً" وہاں اس لئے نہیں تھی کہ جنسی گہماگہمی وہاں روزانہ کا معمول تھا۔

وہ جنسی خواہش سے بھرپور لوگ تھے ـــــ مگر ہماری طرح جنسی بھوک کے مارے ہوئے نہیں تھے۔

میری بوکھلاہٹ کو وہ سمجھ گئی تھی اور زمینی انسان کے ردِ عمل سے محظوظ ہو رہی تھی۔ غالباً" یہی وجہ تھی کہ اس نے میرے کمرے کے ساتھ ملحقہ کمرے کی دیوار کا بٹن دبایا تو اسی طرح کا دروازہ اُدھر بھی کھل گیا۔

لڑکی نے ہنستے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"اس کمرے میں بھی ایک حسین و جمیل لڑکی رہتی ہے۔ آپ کو جب بھی ضرورت ہو اِدھر کا یا اُدھر کا بٹن دبا سکتے ہیں۔"

لڑکی کے ہنسنے کے انداز میں ایسی دلکشی اور دلفریبی تھی کہ میری روں روں نے اسے محسوس کیا۔

میں دم بخود کھڑا تھا اور شدت جذبات سے کانپ رہا تھا۔

وہ شرارت آمیز دلربایانہ انداز میں کھڑی مسکرا رہی تھی کہ اتنے میں دوسرے کمرے کی لڑکی مہین حریری لباس میں سبک سبک قدم اٹھاتی ہوئی اندر آگئی۔ یہ واقعہ تھا بلکہ امتحان تھا۔ اَن گنت ہیروں میں سے انتخاب' ترجیح اور امتیاز کا سوال ہر ہیرے کی آب و تاب نرالی اور اپنی' مَیں ایک کو دیکھوں کبھی دوسری کو

ایک سراپا نکہت' دوسری سراپا سپردگی۔

اور یہ صورتِ حال ان کی پریشانی کا باعث نہ تھی' کیونکہ وہاں تو ہر روز' روزِ عید اور ہر رات' شبِ برات تھی۔ پریشان کن مسئلہ تو میرے لئے تھا کہ ایک طرف زمین کی وفاداریاں تھیں اور دوسری طرف اذنِ عام کا روشن نعرہ ----

مجھے لمحہ لمحہ احساس ہو رہا تھا کہ زمین سے رابطہ اپنی جگہ' مگر انسانی کردار اس حسنِ بے نظیر کو نظر انداز کرنے کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔

اس کے باوجود مَیں نے ضبط سے کام لیا اور اضطرابی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "آپ کی عمر کتنی ہوگی خاتون؟"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لگ بھگ ساڑھے چار ہزار سال۔"

"اور آپ کی ساتھی خاتون کی ----؟"

"مجھ سے پانچ سو سال زیادہ!"

"تو آپ کا اور میرا کیا مقابلہ! مَیں بالکل نوجوان ہوں۔ میری عمر صرف تیس برس ہے۔"

وہ دونوں ہنس پڑیں۔

"مگر ہمارے دلوں اور جسموں کی توانائی آپ سے ہزاروں گنا زیادہ ہے۔ آپ عملِ تجدید سے نہیں گزرے' اس لئے آپ واقعی تیس برس کے لگتے ہیں' لیکن آپ کب ہم جیسی تازگی کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔"

"عملِ تجدید سے تو شاید مَیں نہ گزروں۔"

"تو آپ ہمیشہ تیس برس کے ہی رہیں گے' بالکل ایسے ہی۔"

"مَیں تیس برس کا رہنا پسند کروں گا' مگر اپنی جبلت سے ہاتھ دھو بیٹھنا پسند نہیں کروں گا۔"

"یہ مثالیت کا رویہ ہے۔ یہ زندگی کو آگے نہیں بڑھاتا' منجمد ہو جاتی ہے حیات۔"

"یعنی اگر مَیں اصول کے لئے زندہ رہنا چاہوں' تو آپ اسے انجماد کہیں گے؟"

"یقیناً" کیونکہ کبھی موت بھی اٹل اصول تھا' ہم نے اسے ختم کر دیا۔ اگر آپ کی جبلّت بھی پوری ہو جائے' تو آپ کے چودہ طبق روشن ہو جائیں۔"

"جب تک ہم عملِ تجدید سے نہیں گزرے تھے۔" دوسری لڑکی بولی۔ "تو ہماری سوچ بھی آپ کی طرح محدود تھی۔ تب ہم بھی آپ کی طرح مختلف تنگناؤں میں قید تھے۔"

"یعنی آپ چاہتی ہیں میں زندگی کی شعریت سے دست بردار ہو جاؤں' میری زندگی کی ساری گہماگہمی' ساری نیرنگیاں اور میری فطرت کی گوناگوں بوقلمونیاں بیک عملِ تجدید فنا ہو جائیں اور مَیں محض ایک نیک آدمی رہ جاؤں ----؟"

"آپ شعریت کے محض زمینی معنی جانتے ہیں۔ آپ کیا جانیں اس ولولے کی کیفیت ----' جو ہمارے جسم و جان میں رواں دواں ہے جو نہ تھکتی ہے - اس کا ذائقہ آپ نے نہیں چکھا ---- ہم وہ ماضی ہزاروں سال پیچھے چھوڑ آئے

ہیں جب انسان چوری' دہشت اور درندگی سے حظ اٹھاتا تھا۔"

"یہی نہیں۔" دوسری بولی --- "تیس برس کی عمر میں آپ کیسے دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ نے حیات کے رموز پالئے ہیں۔ ہم تو خیر پھر بھی پانچ چھ ہزار سال کی روشنی میں بات کرسکتے ہیں کہ ہم نے زندگی کو جیت لیا ہے۔"

"شاید آپ نے زندگی کو جیت لیا ہو مگر غالباً" آپ کو احساس نہیں کہ زندگی جیت کر آپ نے کیا کھو دیا ہے ----؟"

"کیا کھو دیا ہے ہم نے ----؟" وہ بیک وقت بولیں۔

"موت ----! موت کا خوف جاتا رہے' تو زندگی میں رہ کیا جاتا ہے باقی' زندگی اس لئے حسین ہوتی ہے کہ اس کے کھوجانے کا ڈر رہتا ہے۔"

وہ دونوں ہنس پڑیں۔

"آپ کو حیاتِ مسلسل کی امنگ کا تجربہ نہیں ہے شاعر! میری عمر ساڑھے چار ہزار سال ہے اور ساڑھے چار ہزار سال میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ ردِ حیات کا خیال آیا ہو۔ سعادت اور مسرت کو کون احمق رد کرے گا ------؟"

"آپ کا تجربہ' آپ کی بصیرت اور آپ کا علم مجھ سے زیادہ سہی' اس کے باوجود میں جاننا چاہوں گا کہ مسلسل سعادت اور مسلسل مسرت کے کیا معنی' اگر آپ کے پاس غم اور حسرت کا احساس نہیں' تو مسرت کے تسلسل کا احساس کیسا' سعادتوں کی یکسانیت کو انسان کب تک برداشت کرے گا ----؟ کب تک انسان خوشیوں کے تالاب میں غوطے لگاتا رہے گا ----؟ کیا خشکی پر قدم رکھنے کی آرزو باقی نہ رہے گی ----؟"

"خشکی پر قدم رکھنے کی آرزو بھی ایک مسرت ہے شاعر! ہم اور آپ جو محوِ گفتگو ہیں' یہ بھی ایک مسرت ہے۔ اس مسرت کی طرح' جیسے محوِ اختلاط ہونا ---- جو کام ہم اپنی مرضی اور منشاء سے کرتے ہیں' اس میں مسرت کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور ہوتا ہے ---- اور یہ کرۂ یاقوت کا مقدر ہے ---- آپ کا کوئی فعل گردن زدنی نہیں ہے۔"

"کیونکہ آپ نے انسان سے اس فعل کی قوت چھین لی ہے کہ گردن زدنی کی سزاوار ٹھہر سکتا۔'

"آپ جہاں سے چلے تھے' وہیں لوٹ آئے۔" لڑکی ہنس کر بولی۔

"آپ کے تابندہ حسن کے باوجود۔" میں نے بھی ہنس کر جواب دیا۔

"آپ کی جو محبوبہ ہے کرۂ ارض پر' کیا بہت خوبصورت ہے؟" اس نے پوچھا۔

"زمین کا خوبصورت سے خوبصورت ترین آدمی بھی آپ جتنا خوبصورت نہیں ہوتا۔ مگر اس کی خوبصورتی اس لئے افضل ہے کہ کروڑوں اربوں آدمیوں میں سے مجھے پسند کرتی ہے۔ پسند کی یہ اوسط کرۂ یاقوت پر کہاں ----!"

"آپ کو ہم سے یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ آپ کو یہاں اپنی محبوبہ سے کئی گنا زیادہ محبت ملے گی ------"

"مجھے اس سے انکار نہیں کہ محبت کی فراوانی یہاں کا مقدر ہے' مگر یہ تو یہاں ہر باسی کا حق ہے۔ آپ مجھے جتنی محبت دیں گی۔ یقیناً" میرے لئے وافر ہے' لیکن وہ میری ذات تک محدود نہیں ہوگی جبکہ ثمریں کی محبت محض میری ذات تک محدود ہے۔ بھری کائنات میں کسی ایک آدمی کا انتخاب' ذرا غور تو کرو خاتون! زمینی محبت کی شان پر میں فخر کیوں نہ کروں ----؟"

"یہ خود پسندی ہے شاعر! بلکہ ایک حد تک اذیت پسندی ہے کہ گلشنِ حیات

میں صرف ایک پھول کو مقدر بنا لیا جائے۔"

"آپ کے پاس میرا دل ہوتا' تو ایسا نہ کہتیں ـــــ۔"

"آپ کے پاس میرا شعور ہوتا' تو ایسے نہ کہتے۔"

"یہی تو فاصلہ ہے کرۂ یاقوت اور کرۂ زمین میں' آپ صاحبِ شعور ہیں میں صاحبِ جنوں ہوں۔"

"کاش ـــــ! آپ جانتے کہ ہمارا شعور آپ کے جنوں کے کئی فلک دیکھ چکا ہے۔"

"مَیں اس کا کیا جواب دوں ـــــ؟"

"ایک تیس برس کے آدمی کے پاس اس کا جواب ہو بھی کیا سکتا ہے!"

"آپ کیوں بھول جاتی ہیں کہ میری تیس برس کی عمر میں کئی صدیوں کا تجربہ اور نالج ہے۔"

وہ ایک بار پھر زور سے ہنس پڑیں۔

"آپ کو زمین کی کئی صدیوں کے نالج کا احساس ہے' مگر کرۂ یاقوت کی اس شاندار تہذیب کا احساس نہیں جس کا نالج آپ سے ہزاروں سال آگے ہے۔ ـــــ"

"یہ آگے پیچھے کا مسئلہ بہت ٹیڑھا ہے خاتون! مَیں سمجھتا ہوں زندگی ذائقے اور بوسے کے لئے وقف نہیں ہو سکتی۔ زمین پر اور بھی کئی رشتے ہیں۔ بہن اور بھائیوں کی ناز آفرینیاں' ماں باپ کی بے لوث محبتیں' بچوں کی دل لبھا دینے والی ادائیں' مگر کرۂ یاقوت میں یہ ساری قربتیں اور نوازشیں کہاں ـــــ؟"

"ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے شاعر! ابھی تو آپ نے میری آغوش کی گرمی نہیں دیکھی کہ ممتا بھی بھول جائیں' محبوبہ بھی بھول جائیں ـــــ ذرا باہر نکل کر دیکھئے کہ نوازشوں کے پھول برسیں' قربتوں کے نور سے منور ہو جائیں اور حیات کے معنی آفرینی کے راز کھلیں۔"

اس کے لب و لہجے کا یہ انداز دیکھ کر مَیں ایک بار پھر کانپ گیا۔

"یہی نہیں!" اس نے بات جاری رکھی۔ "یہ جو میری ساتھی ہے یہ مہین حریری لباس والی لڑکی' مجھ سے زیادہ جانتی ہے کہ سعادتوں کے ستارے کیسے سجائے جاتے ہیں اور محبتوں کے جام کیسے لنڈھائے جاتے ہیں۔ اے سادہ دل شاعر! آپ کیا جانیں کہ فسانۂ دل' قصۂ جنوں اور حکایت شعور مل کر کیسی دنیا آباد کرتے ہیں ـــــ!!"

لڑکی کی باتوں میں جو رسیلا پن اور بے ساختہ پن تھا۔ ایسا لگا کہ بحث کا دروازہ بند ہوتا جا رہا ہے اور قرب کا احساس فوکس ہوتا جا رہا ہے ـــ اور پھر ـــــ مجھے ہوش نہ رہا کہ زندگی رک گئی ہے یا متحرک ہے ـــــ یہ ایک لمحہ تھا یا چند ثانیئے تھے۔

لیکن حقیقت یہ تھی کہ پورا ایک سال بیت گیا تھا ـــــ!

اور کیفیت یہ تھی گویا' ابھی تو لمحۂ اول کا ظہور ہوا ہے ـــــ!!

ضیاء سے ملا ـــ رضا سے ملا' تو پہچانے نہ گئے۔

نہ وہ شکلیں' نہ وہ باتیں' اب وہ دوسرے کرے کے لوگ تھے۔

اگر وہ خود نہ بتاتے تو پہچان کا سوال ہی کہاں ـــــ

وہ بالکل فلک بازوں کی سی گفتگو کر رہے تھے اور بے حد خوش تھے۔

عملِ تجدید نے انہیں مجھ سے کروڑوں میل دور پھینک دیا تھا۔

وہ لمحہ بھی دیدنی تھا جب میں نے زریں کو دیکھا۔

شکل وہی' صورت وہی' لیکن نزاکتِ حسن کا یہ عالم ـــــ جیسے ابھی ابھی

کوئی تازہ کونپل پھوٹی ہو ــــ!

ثمریں اس کی بہن تھی جس کے رخساروں پر گلاب کی پنکھڑی جیسی ملاحت و صباحت تھی۔

لیکن جو ملاحت و صباحت زریں کے چہرے پر کھل رہی تھی‘ وہ دنیا ہی دوسری تھی۔ اگر ثمریں سے شادی ہوجاتی تو زریں میرے لئے شجرِ ممنوعہ تھی۔ مگر میں تو کرۂ یاقوت میں بیٹھا تھا جہاں کچھ بھی میرا نہیں تھا اور سب کچھ میرا ہی تھا۔

میں ایک ایسے نظام شمسی کے کرّے میں تھا جہاں سے گناہ کے تصور کو دیس بدر کردیا گیا تھا۔

میری جبلت کی کجی اگر باقی تھی تو اس کی بے بسی اور مجبوری بھی دیدنی تھی۔ یہاں غیبت‘ سازش اور تنقید بے معنی الفاظ تھے۔ کیونکہ مسرت اور محبت کا جو ماحول یہاں تشکیل ہوگیا تھا‘ اس میں شگاف ڈالنا ناممکن تھا۔

اپنے ساتھیوں کی باتیں سن کر میں جان گیا تھا کہ عملِ تجدید دراصل کوئی نورانی عمل ہے کہ انسان کے باطن کا سارا تعفن کافور ہوجاتا ہے۔

زریں مجھ سے یوں ملی کہ پہلی لڑکی کا سحر ٹوٹ گیا۔

میں خوش تھا‘ حیران تھا اور کس قدر دل گرفتہ بھی کہ بفرضِ محال زمین پر واپسی ہوئی تو ثمریں سے کیا کہوں گا کہ کرۂ یاقوت میں مجھ پر کیا گزری؟

غالباً اس ردِعمل کی کوئی لہر زریں نے بھی محسوس کی۔ وہ ہنس کر بولی ــــ ”اب تو آپ کی واپسی کے سارے راستے مسدود ہوگئے ہیں۔“

میں نے کہا ــــ ”نہیں!“

”کیوں نہیں۔“ وہ بولی۔ ”آپ کس منہ سے ثمریں کا سامنا کریں گے آپ کا شاعرانہ وقار اس بات کی اجازت دے گا کہ اس سے جھوٹ بولیں؟“

میں فوری طور پر اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔

وہ اسی لہجے میں بولی۔ ”آپ زمین کے آدمی ہیں تو زمینی آدرشوں کا خیال رکھنا ہی پڑے گا‘ ویسے آپ کے لئے بہتر ہوگا عملِ تجدید کے لئے راضی ہوجائیں تاکہ آپ کی دل گرفتگی ختم ہوجائے اور زمین سے آپ کا رشتہ ٹوٹ جائے۔“

”زمین سے رشتہ ٹوٹنے پر آپ بہت خوش ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”کیا بتاؤں کہ میں کتنی خوش ہوں۔ وہ شخص جو عملِ تجدید سے نہیں گزرا ہماری مسرتوں کا اندازہ نہیں کرسکتا۔“

”یہی نا کہ میں آپ جیسا بن جاؤں۔ میری زندگی محض مسرت بن کر رہ جائے۔“

”شاعر! یہ حجت محض ہے۔“

”اور آپ کا اصرار‘ اصرار محض نہیں ہے ــــ؟“

”یہ عجیب بات ہے شاعر! آپ کرۂ یاقوت کی تہذیب سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور زمینی قدروں کا علم بھی بلند کئے ہوئے ہیں۔“

”میں ایک مثالی آدمی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بہت ممکن تھا زمین پر رہ کر میں بھی ثمریں سے بے وفائی کرتا۔ دراصل میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میں اپنی فطرت کے بانکپن کو گائے کی خود سپردگی میں تبدیل نہیں کرسکتا۔“

”یعنی آپ کے ایک ہاتھ میں آپ کا شعری مجموعہ ہو اور دوسرے ہاتھ میں ایٹم بم‘ یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہو کہ جی چاہے تو شعر سنادیں اور جی چاہے تو ایٹم بم پھینک دیں ــــ؟“

زریں کے اس جواب پر میں چونکا ــــ

تو گویا یہ وہ لڑکی نہیں ہے جو لیلےٰ کی باتیں سن کر محبت کے لئے تڑپی

تھی۔۔۔۔ جو کبھی فلک بازوں سے مرعوب ہوتی تھی اور کبھی میری ہم نوا ہوتی تھی۔۔۔۔ یعنی عملِ تجدید کے بعد وہ ایک پختہ کار لڑکی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ شعوری طور پر مکمل بالغ ہوگئی تھی۔

گویا جنسی بلوغت اور شعوری بلوغت کے امتزاج نے اسے وہ کچھ بنا دیا تھا کہ اس کی عمر بھی مجھے پانچ ہزار سال سے کچھ زیادہ ہی لگ رہی تھی۔

شاہِ یاقوت سے جنسی اختلاط کا ذکر کرتے ہوئے وہ مجھے اس طرح لگی جیسے کوئی ماں نوزائیدہ بچے کو فخر و انبساط سے دودھ پلا رہی ہو۔ کچھ اسی طرح کا احساس مجھے اس پہلی لڑکی سے بھی ملا تھا کہ جنسی اختلاط کے پُر بہار لمحوں میں اس کے رویے سے ممتا کی دھاریں پھوٹتی تھیں۔

شاہِ یاقوت کا ذکر کرتے ہوئے زریں نے کہا۔ "وہ شخص خدا نہیں، مگر اس میں خدا کا روپ ہے۔ آپ کے تضادات کا ایک ہی حل ہے کہ اس سے ملیں اور بار بار ملیں۔ اس کی باتیں سنیں۔ اس کے اٹھنے بیٹھنے کے انداز دیکھیں۔ اس کا حسنِ سلوک، اس کی شیریں بیانی، اس کی نرم گفتاری اور اس کا کیف و سرور میں ڈوبا ہوا رویہ۔ انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ شخص نوری ہے کہ ناری ہے کہ خاکی یا تینوں کا مرکب ہے اور اس کا اثر کرۂ یاقوت پر کس قدر گہرا ہے۔ انسان کیا چرند پرند بھی اس کے حکم کے تابع ہیں اور ان کی روحیں بھی اس خطے کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔ آپ دیکھیں گے، ان کی گفتگو سن کر آپ محسوس کریں گے کہ ان کے کومل کومل لہجے کا سحر کس طرح آپ کی روح میں اترتا جا رہا ہے۔"

"انہوں نے میرے متعلق کچھ کہا تھا آپ سے۔۔۔؟"

"ہاں، وہ ہر لمحے باخبر رہتے ہیں۔ جب آپ پہلی لڑکی سے محوِ اختلاط تھے اور چھ ماہ تک باہر نہ نکلے، تو پھر بھی معترض نہ ہوئے۔ اصولاً آپ کو منتقل ہونا تھا پہاڑ کے اوپر والی قطار کے کسی کمرے میں، مگر انہوں نے آپ کے خلوت کدے میں مخل ہونا مناسب نہ جانا۔ وہ آپ کی شاعرانہ ہٹ سے نہ صرف محظوظ ہوتے ہیں بلکہ آپ کے کردار سے زمینی انسان کے اجتماعی کردار کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہیں۔ بہت ممکن ہے ایک دور آئے، آپ کے رویے کو بنیاد بنا کر وہ کرۂ ارض کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کر سکیں۔"

"پھر تو میں بے کار آدمی نہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"بالکل نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "وہ انسانی کردار کے اس پہلو پر غور کر رہے ہیں کہ انسان اقتدار کے لئے جنگ اس لئے لڑتا ہے کہ سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہو۔ دولت اور مسرت صرف اسی کے لئے محدود ہو۔ آسائشوں اور سہولتوں پر صرف اسی کا حق ہو۔۔۔۔ یہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد ظاہر ہے وہ جنگ نہیں لڑے گا، مگر اس حد تک اپنا دفاع ضرور کرے گا کہ حاصل کردہ مراعات سے ہاتھ دھو نہ بیٹھے، لیکن آپ نے تو جنگ لڑے بغیر ہی وہ سب کچھ حاصل کر لیا ہے جس کے لئے زمینی انسان فساد روا رکھتا ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ان غیر معمولی مراعات کو تو ٹھکرانے پر آمادہ ہیں جو آپ کی مٹھی میں ہیں مگر زمین کی ان مراعات کے لئے بے چین ہیں جس کے حصول کے آپ صرف خواب دیکھتے ہیں۔۔۔۔۔؟"

"بات یہ ہے زریں کہ میں شاہِ یاقوت کے مثبت رویہ کو رد نہیں کرتا، انہوں نے ہزاروں سال کے مشاہدوں اور تجربوں کے بعد انتہائی خوبصورت زندگی تخلیق کی ہے، مگر کیا کروں اپنی سوچوں کا، میں محسوس کرتا ہوں کہ میری روح کی بالیدگی رک گئی ہے اور میں لطف و عنایات کے فریزر میں منجمد ہوگیا ہوں۔"

"آپ چلیں میرے ساتھ، کرۂ یاقوت کی سرحدیں لاکھوں میل تک پھیلی

ہوئی ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہاں سے پچاس ہزار میل دور کا آدمی اور ایک لاکھ میل دور کا آدمی ایک دوسرے سے کس طرح ربط و ضبط رکھتے ہیں اور ہم جنسی کے کیسے لازوال رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ آپ کرۂ یاقوت کے جس گوشے میں بھی جائیں گے' آپ کو اجنبیت کے بجائے یگانگت کی ایسی فضا ملے گی گویا آپ پھولوں کے ڈھیر میں لوٹ پوٹ رہے ہیں۔"

"یہ بات ہمیں شاہِ یاقوت نے بھی کہی تھی اور مجھے اس سے انکار بھی کب ہے۔ میں آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا شاید میرا ذہن بدل جائے۔ شاید میری روح یہاں کی یگانگت کو قبول کرلے۔ ویسے میں کسی تکنیکی عمل (عملِ تجدید) سے اپنی روح کو لطافت کے سانچے میں نہیں ڈالوں گا ----- میں چاہتا ہوں میری روح بتدریج سہی مگر خود بخود فطری عمل سے ترقی کرے، کسی جبلی انگیخت سے میری دنیا بدل جائے اور میں کہہ سکوں کہ جو سعادت مجھے حاصل ہوئی ہے وہ مصنوعی نہیں بلکہ الہام کی طرح میرے سینے میں اتری ہے۔"

"میں آپ کے دکھ کو سمجھ رہی ہوں۔ دراصل نزاکت احساس بھی ایک روگ ہے۔ زندگی کو جس حد تک دروں بینی سے برتا جائے' دکھ اسی حد تک بڑھ جاتے ہیں ----- سادہ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ آپ کے پاس ہے' وہی بہت کافی ہے۔"

"کہنا یہ ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ کافی بھی ہو' تب بھی میں اسے کافی نہیں سمجھتا کیونکہ اس طرح زندگی رک جائے گی، کھڑے پانی کی طرح۔ میں کبھی پسند نہیں کروں گا کہ امنگ کی دھڑکن بند ہوجائے۔ اسے گھڑی کی سوئیوں کی طرح ہمیشہ متحرک رہنا چاہیئے۔"

"چلو ایسا ہی سہی۔ شاہِ یاقوت کی روحانیت شعوری سہی۔ لیکن آپ' جو الہامی انداز میں روحانیت کی تکمیل چاہتے ہیں اس کے بعد کیا ہوگا -----؟ گھڑی کی سوئیاں رک نہیں جائیں گی -----؟ تکمیل کے بعد آپ اپنی امنگ کو کس خانے میں ڈالیں گے ---------؟"

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا زریں۔"

"وقت آجائے گا تب بھی آپ کہیں گے یہ وہ لمحہ نہیں ہے جس کا آپ کو انتظار تھا۔ جس طرح آپ شاہِ یاقوت کے نظام سے مطمئن نہیں۔ کل بھی آپ یہی کہیں گے کہ آپ کے خواب کی تعبیر یہ نہیں تھی اور یہ کہ' آپ کی روح کی بالیدگی رک گئی ہے اور زندگی منجمد ہوگئی ہے۔"

میں ہنس پڑا۔

"آپ بہت دور کی پیش بندی کر رہی ہیں۔ وہ لمحہ' نہ آپ نے دیکھا ہے نہ میں نے -----"

"میں نے تو دیکھ لیا ہے اور میں اسے حتمی سمجھتی ہوں اور ابدی۔"

"آپ کی ذہنی ارتقا رک گئی ہے زریں! کرۂ یاقوت نے آپ کو اس قدر خوشیاں دی ہیں کہ آپ کا ظرف اس کا متحمل نہیں تھا۔"

"اور میں اسی کو تکمیل سمجھتی ہوں شاعر -----! کہ میرے ظرف کی گنجائش سے بھی زیادہ ملا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے --------- مگر میں تو اپنا سفر جاری رکھوں گا۔"

"آگے کا یا واپسی کا۔"

"کون جانے زریں! واپسی کا سفر آگے جانے کا پڑاؤ ہو۔"

"خیر یہ تو شاعرانہ باتیں ہیں۔" وہ ہنس کر بولی۔ "آپ شمسی توانائی کا نظام دیکھیں گے تو دنگ رہ جائیں گے۔ روشنی کی ایک ننھی سی دھار اندر ہی اندر

پہاڑی چٹانوں کے سلسلوں کو اس طرح پگھلاتی ہوئی آگے بڑھتی ہے جیسے آہنی برا
چیڑھ کی لکڑی سے آر پار ہوجاتا ہے۔ میلوں تک جہاں تک ضرورت ہو بٹن دبائے
رکھیں اور یاقوتی پہاڑوں کے سینے چیرتے جائیں اور جہاں سے یہ دھار پھوٹتی ہے
وہاں شمسی توانائی کے سٹوروں کا خود کار نظام دیکھ کر عقلِ انسانی کا سفر ختم ہوتا نظر
آتا ہے' لیکن پھر یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ انسانی شعور کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے ——
حیرت کی بات ہے —— شاہِ یاقوت کے ذہن میں جو تصور یا ہیولا سا آتا ہے وہ
اگلے دن مجسم ہوجاتا ہے اور ہم اسے کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں' لیکن ہمارا
شاعر پھر بھی کہتا ہے کہ زندگی کا کوئی اور روپ بھی ہے جو شاید اس سے اعلیٰ اور
ارفع ہوگا۔"

"زریں! مَیں شاہِ یاقوت جیسا درک و ادراک نہیں رکھتا اور نہ میں کسی ملکوتی
طاقت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ میں شاہِ یاقوت کی غیر معمولی صلاحیتوں کا دل سے
معترف بھی ہوں' لیکن مَیں شعور سے زیادہ وجدان کا تابع ہوں اور مَیں وجدان کی
رہنمائی میں جینا مرنا پسند کرتا ہوں۔"

زریں اب وہ زریں نہ تھی مگر اس کے باوجود وہ بحث کو آگے بڑھانے کے
بجائے ہنستی ہوئی چلی گئی۔



چوبیس گھنٹے کا دن ختم ہوا اب چوبیس گھنٹے کی رات ہوا چاہتی تھی۔ مَیں اسی
شام پہاڑ کی اوپر کی منزل میں منتقل ہوگیا۔

یہاں لمحوں کا' گھنٹوں کا اور شب بیداری کا احساس نہیں ہوتا تھا کیونکہ کسی
ڈیوٹی یا فرض کی ادائیگی کا بوجھ نہیں تھا۔

جاگنا ہے تو مہ جبینوں کی صحبت ہے' مہینوں جاگتے رہیں۔

سونے کی خواہش ہے تو مہینوں ایک کروٹ سوتے رہیں۔

جاگتے رہنے اور سوتے رہنے میں کسی طرح کی تھکن اور تناؤ کا اندیشہ نہیں
تھا۔ مختلف سوچ دبائے اور مختلف رنگوں کی شمعیں روشن ہوگئیں —— اب وہ
مخصوص سوچ دبایا جسے کال بیل بھی کہہ سکتے ہیں۔

اگلے لمحے بغلی دروازے سے ایک نازنین بے مثال کا ورود ہوا —— مَیں
استقبال کے لئے چشم براہ' ادھر آغوشِ شوق کے در وا۔

آنکھوں میں جام بھرے' ہونٹوں پر مسکان سجائے' وہ میرے قریب آکر کھڑی
ہوگئی۔ بھینی بھینی خوشبو کا جھونکا سا آیا اور مجھے مسحور کرگیا۔

اور جب اس نے گفتگو کا آغاز کیا تو چاندی کی گھنٹیوں کا ارتعاش بیک جست
میری روح میں تحلیل ہوگیا۔

"کرۂ ارض کے البیلے شاعر!" وہ بولی۔ "کئی ہزار سال پہلے مَیں بھی شاعرہ تھی۔

ایسی شاعرہ کہ یکتائے زمانہ کے خطاب سے نوازی گئی ——— شعر میرا اوڑھنا شعر میرا بچھونا' خود میرا حسن' میری جوانی سراپا شعر تھی ——— جذبات کی گنجینہ تھی میں' احساسات کی خزینہ تھی۔ رگ رگ میں طوفان جنوں' نس نس میں جوش و فسوں' دل و زباں عبادت گاہِ محبت' جسم و جاں خلوت گاہ' محبت میں آگ تھی تڑپا دیتی ——— میں خوشبو تھی معطر کردیتی۔ میں برق تھی جلادیتی۔ میں تریاق تھی بنادیتی ——— میں ناز تھی' انداز تھی' فیاض تھی' نباض تھی۔ سنگِ پارس تھی' چھو کر گزرتی تو سونا بنادیتی!"

"ماشاء اللہ!" میں نے مسکرا کر داد دی۔

"شاعر! میری آرزو تھی کرۂ ارض کے شاعر کو دیکھنے کی' ملنے کی' میں کرۂ یاقوت کے آخری قطب سے آئی ہوں' ہزاروں لاکھوں میل دور سے' آج ہی پہنچی ہوں —— شاہِ یاقوت کا کرم کہ کسی کی خواہش رد نہیں کرتے ——— جب سنا کہ آپ عملِ تجدید سے گریزاں ہیں' کرۂ ارض پر واپسی کے خواہاں ہیں اور آپ کے پاس دلیل بھی ہے تو کرۂ یاقوت کے اس افق سے اس افق تک اچنبھا ہوا ———!"

"میں کرۂ یاقوت کی بے مثل شاعرہ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"میں اب شاعرہ نہیں رہی۔ عملِ تجدید کے بعد انسان کی جُون بدل جاتی ہے' پھر شاعری کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

"مگر کیوں ———؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"الفاظ اس حیرت اور کیفیت کا احاطہ نہیں کرسکتے جو عملِ تجدید کے بعد انسان کا مقدر بن جاتا ہے ——— میں جس کیفیت کا ذکر کر رہی ہوں شاعری اس کے سامنے ہیچ ہے۔ پیغمبری بھی ملے تو اس کیفیت پر نثار کردوں ———!"

"یعنی واقعی ———؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے پیغمبری اس کیفیت سے اعلیٰ اور ارفع چیز ہو' مگر میں اس تجربے کے بعد دوسرا تجربہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی' کیونکہ اس تجربے کے بعد جو کچھ ملتا ہے میرے خیال میں وہ روشن ضمیری کی آخری سرحد ہوتی ہے ۔ آرزوئیں' امنگیں' تمنائیں سمٹ کر نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہیں' مگر اس کے باوجود ایک نئی ترنگ روح میں سما جاتی ہے۔ لالچ اور ہوس ختم ہو جاتے ہیں۔ زندگی ایک نئی اٹھان سے سرشار ہوجاتی ہے۔ میں نے کہا تھا نا' الفاظ اس تب و تاب کا احاطہ نہیں کرسکتے ——— وہ بے ساختگی' وہ فریفتگی' وہ شیفتگی' جو عملِ تجدید کے بعد انسان کی آتما میں دَر آتی ہے چیزے دیگر است!"

اے خوبصورت شاعرہ! کرۂ زمین تو کجا' میں نے کرۂ یاقوت پر بھی آپ سے زیادہ خوبصورت چہرہ نہیں دیکھا ——— میں آپ کے حسن اور اس حسن کی سچائی کو سلام کرتا ہوں کہ ایک شاعر اس کے سوا کچھ کر بھی نہیں سکتا۔ آپ کے پاس الفاظ نہیں کہ عملِ تجدید کی وہ تعریف کرسکیں جو آپ کے جسم و روح نے محسوس کی ہے' لیکن میں کہوں گا ——— اب تک جتنے لوگوں نے عملِ تجدید کے بعد کی کیفیت بیان کی ہے' ان سب میں سے آپ کا اظہار واضح اور معنویت سے بھرپور ہے' مگر آپ جو اتنے دور کے قطب سے آئی ہیں تو صرف یہ کہنے کے لئے میں عملِ تجدید کے لئے تیار ہوجاؤں ———؟"

"ہرگز نہیں شاعر!" اس نے نہایت یقین سے تردید کی۔ "سمندر سے ایک قطرہ اٹھ جائے تو بھی سمندر' سمندر میں ایک قطرہ پڑ جائے تو بھی سمندر' کرۂ یاقوت کے شب و روز آپ کے آنے کے بعد بھی وہی اور کرۂ یاقوت کے شب و روز آپ کے جانے کے بعد بھی وہی رہیں گے۔ میرا مشن یہ بھی نہیں کہ آپ کو

اس عمل کے لئے تیار کروں۔ مَیں تو اس عمل سے انکار کرنے والے شخص سے ملنے آئی ہوں جو کرۂ یاقوت پر صرف ایک ہے۔ جس کی شکل کسی اور سے نہیں ملتی جو سب سے منفرد ہے۔ سب سے مختلف ہے۔ جس کی شکل ہی نہیں ذہن بھی مختلف ہے۔ میرا مشن یہ ہے یعنی میری خواہش' جسے مَیں نے مشن کہا ——— اس آدمی کو دیکھوں جو اس جنت سے واپس جانا چاہتا ہے جہاں پہنچ کر کائنات کا کوئی ذی روح واپس جانا پسند نہیں کرے گا۔"

"تو آپ نے مجھے دیکھا ———؟"

"ہاں شاعر! مَیں نے آپ کو دیکھا اور چاہتی ہوں کہ دیکھتی رہوں۔ میری خواہش ہے کہ ایک شاعر یہاں موجود رہے۔"

"یہ عجیب خواہش ہے خاتون!" مَیں نے ہنس کر کہا۔ "جن لوگوں کی کوئی خواہش نہیں ہے' ان کی بھی ایک خواہش ہے ———؟ اس کا مطلب ہے شاہِ یاقوت کی دنیا ابھی مکمل نہیں ہوئی ———؟"

"یہ تو شاعرانہ تعلّی کا ایک پہلو ہُوا' ورنہ ہم مطمئن لوگ ہیں۔ آپ کی موجودگی کی خواہش اس لئے ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں سے مختلف ہیں۔ آپ کی انفرادیت توجہ کے لائق ہے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ایک تیس برس کے نوجوان آدمی نے اس سیر چشمی کا رویہ کیونکر اختیار کیا۔ ہم ان امکانات پر غور کر رہے ہیں جو آپ کی اعلیٰ ظرفی کی رہینِ منت ہیں۔ ایک ایسا شخص جو کرۂ یاقوت کی بے کنار مسرتوں کو نظر انداز کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ کیا ہم حق بجانب نہیں ہیں شاعر! کہ ایسے شخص کی واپسی کی خواہش کا نفسیاتی تجزیہ کریں ———؟"

"آپ لوگ محض وقت ضائع کر رہے ہیں ——— مَیں غیر معمولی آدمی نہیں' بلکہ کرۂ ارض کا بے حد معمولی آدمی ہوں۔ مجھے مثال یا بنیاد بنا کر آپ جس طرح کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں' اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔"

"شاہِ یاقوت نے آپ کو اہم جانا ہے۔ آپ کی اہمیت آپ کے شعر کی وجہ سے نہیں' آپ کے رویے کی وجہ سے ہے۔ ہمارے کرہ میں شعر محض بے معنی چیز ہے' لیکن آپ کا رویہ ہمارے اس مشن کو تقویت پہنچاتا ہے کہ کرۂ ارض کے انسان کو امن سے دور رکھنے والی چیز کیا ہے ———؟ آپ کرۂ ارض سے بچھڑے ——— اپنے تین ساتھیوں سے بچھڑے' یہ جانتے ہوئے کہ اگر ہم نہ چاہیں تو آپ کی واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ آپ نے شکست نہ مانی' خسروانہ عنایات کے ہوتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ رہنے پر راضی نہیں ——— شاہِ یاقوت کو آپ کی یہ ادا پسند ہے۔"

"بہتر ہوتا اس کام کے لئے کسی ڈکٹیٹر کو اغوا کرتے۔ کسی سیاستدان کو' کسی عالم کو یا کسی فلسفی کو' کم از کم یہ تو معلوم ہوتا کہ شاہِ یاقوت کی بالادستی میں رہ کر ان کا ردِ عمل کیا بنتا ہے ———؟"

"ڈکٹیٹر بے چارہ تو مریض ہوتا ہے اس لئے اس پر تجربہ کرنا بیکار تھا۔ سیاس پیشہ ور لوگ ہوتے ہیں جو لسانی اور جغرافیائی بنیادوں پر اپنا دھندا چلاتے ہیں۔ ان کا تجزیہ واضح ہے' یہاں پہنچتے ہی عملِ تجدید کے لئے آمادہ ہو جاتے۔ رہے عالم اور فلسفی تو زمین کا علم ابھی کرۂ یاقوت سے بہت پیچھے ہے۔ خدا جانے وہ ہماری سائنسی حقیقت کو جنت سے تعبیر کرتے یا عالمِ ارواح کا مسکن بناتے۔ ظاہر ہے ایسے کنفیوز آدمیوں کی بجائے ہمیں آپ جیسے نوجوان آدمیوں کی ضرورت تھی جن سے سچے ردِ عمل کی توقع تھی۔"

"اس کا مطلب تو یہ بھی ہو سکتا ہے اگر میں عملِ تجدید کے لئے تیار ہو جاؤں تو آپ کا مشن ناکام ہو جاتا ہے۔"

"شاید نہیں ---- کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کرۂ ارض کے انسان میں لچک موجود ہے اور اسے نیکی کی راہ پر لایا جاسکتا ہے۔"

"لیکن خاتون! مَیں تو نیکی پر اعتقاد رکھتا ہوں میرے رویئے کا مطلب یہ کیوں لیا جارہا ہے کہ مَیں امن پر یقین نہیں رکھتا ---- کرۂ یاقوت کی زندگی ایک مثالی زندگی ہے۔ مَیں کبھی یہاں سے واپسی کی خواہش نہ کرتا اگر مَیں اپنی فطرت اور جبلت کی قربانی دے سکتا۔"

"مگر شاہِ یاقوت نے آپ کو اسی فطرت اور جبلت کے ساتھ تحفظ دیا ہے۔ آپ جو پسند نہیں کریں گے' اس کے لئے آپ کو کبھی مجبور نہیں کیا جائے گا۔"

"جانتا ہوں ----مگر مَیں تنہائی محسوس کرتا ہوں۔ ہر طرف مہربانی' ہر سمت رضا و تسلیم' ہر سو اقرار' کوئی اختلاف نہیں' کوئی انکار نہیں' کوئی پیچ نہیں پڑتا' مجھے گھٹن کا احساس ہو رہا ہے۔ مَیں نوازشوں کے بوجھ میں دب کر سسک رہا ہوں۔ مر بھی نہیں سکتا کہ ذائقۂ حیات کا دوامی اسیر بنا دیا گیا ہوں۔"

"یہی تو ادا ہے آپ کی۔" وہ مسکرائی۔ "کہ شاہِ یاقوت آپ کا دم بھرتے ہیں!"

"آپ اندر آئیں۔ آپ نے کہا کئی ہزار سال پہلے آپ بھی شاعرہ تھیں' تو میرا دل خوشی سے اچھل گیا تھا ---- آپ حسین تھیں اور پھر شاعرہ تھیں۔ ہم جنسی اور ہم خیالی کے خیال نے ہی مجھے سرشار کردیا تھا۔ آپ کی باتوں کا اٹھان دل موہ لینے والا تھا۔ زمین کے انسان کے لئے یہ بیحد اہم خبر تھی کہ دور قطب سے کوئی خاتون اس سے ملنے آئی ہے۔ کاش آپ اس خبر کو اور اس خبر کے لمحات کو مزید طول دیتیں!"

"شاعر! یہ خبر ابھی اسی طرح خبر ہے۔ مَیں واقعی دور کے قطب سے آئی ہوں

اور آپ کی خاطر آئی ہوں۔"

"مانے لیتا ہوں' مگر میرے دل سے یہ وہم نکال دیجئے کہ آپ فرض ادا نہیں کر رہیں بلکہ آپ کی آمد میں زمینی انسان کی بے ساختگی ہے!"

وہ ہنس پڑی۔

ایسی خوبصورت ہنسی مَیں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

"مَیں آپ کے دل سے یہ وہم نہیں نکال سکتی۔ نکالوں گی بھی نہیں۔ کیونکہ یہاں فرض اور محبت ، اطاعت ، وفا اور بے ساختگی ہم معنی الفاظ ہیں۔ آپ کو کریدنا' آپ کے دل کی بات پانا' آپ کو اپنا کہنا' اپنا بنانا' یہ ہماری عین فطرت ہے۔ آپ سے باتیں کرنا اور بحث کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ کے وہم کا دریچہ کھولا جائے یا آپ کی فطرت کے خلاف سازش کی جائے۔ یہ ساری باتیں اس لئے ضروری تھیں۔ ہم جاننا چاہتے تھے کہ دو مختلف کروں کے لوگوں کا اندازِ فکر کیا ہے اور ہم ایک دوسرے کے لئے کیا کرسکتے ہیں؟"

"آپ نے شاعری کیوں ترک کی ----؟"

"ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ جذباتی اور احساساتی سطح کی تسکین کی خاطر شعر جنم لیتا ہے یا زندگی کے دوسرے مسائل کی نشاندہی کرتا ہے' لیکن جب جذباتی اور احساساتی سطح پر انسان کی کوئی الجھن باقی نہ رہے' دوسرے مسائل بھی ختم ہوجائیں تو شعری تڑپ بھی باقی نہیں رہتی اور تخلیقی استعداد کی ساری صلاحیتیں شعوری قوتوں میں ضم ہوجاتی ہیں۔"

"تو گویا ترکِ شعور کوئی حادثہ نہیں ----؟"

"ہو بھی تو عملِ تجدید سے بڑا حادثہ نہیں۔ انسان کی ہمیشہ جدوجہد رہی ہے کہ فطرتوں کے سامنے سینہ سپر رہے۔ جانوروں کی درندگی' دریاؤں کی سرکشی' اور

موسموں کی خونچکاں‘ انسان نے ہمیشہ اس پر فتح حاصل کی ہے۔ اگر وہ اپنی فطرت کو زیر کرلے‘ تو یہ کتنا عظیم حادثہ ہوگا۔"

"آپ اسے‘ فطرتوں کو کچلنا نہیں کہیں گی ـــــ؟"

"سانپ کی فطرت زہر اگلنا ہے‘ مگر کوئی پسند نہیں کرتا کہ اس کی دو شاخی زبان اس کے جسم کو چھو جائے۔ الٹا اس کا سر کچل دیا جاتا ہے ــ اگر انسان کی فطرت میں بھی سنپولئے پلتے ہیں‘ تو آخر کیوں نہ ان سنپولیوں کا سر کچل دیا جائے ؟"

مَیں ایک لحظے کے لئے چکرا گیا۔

ایسی خوبصورت دلیل پہلے کسی نے نہ دی تھی۔

شاید یہ لاجوابی کا جواب تھا کہ مَیں نے اسے آغوش میں لے لیا۔ وہ ریشم کی طرح میری آغوش میں سمو گئی۔

یہی لمحہ تھا جب مَیں نے اس سے کہا۔

"میری فطرت کا شر بس اتنا ہے کہ مَیں یہ لمحے کسی پر نچھاور نہیں کرسکتا۔ــ آپ جو اتنے دور کے قطب سے آئی ہیں‘ تو آپ کا یہ احساس میں کسی دوسرے کو منتقل نہیں کرسکتا۔ میری فطرت کا تقاضا بس یہی ہے کہ جو میرا ہے ہمیشہ میرا ہی رہے گا۔"

"مَیں آپ کے اس دعوے کو ہمیشہ زندہ رکھ سکتی ہوں کیونکہ مجھ پر ایسی کوئی پابندی نہیں کہ کوئی مجھے میری مرضی کے بغیر چھین کر لے جائے لیکن شاعر! کرۂ یاقوت میں ایسی حسین عورتیں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں جو مجھ سے بھی ہزار گنا خوبصورت ہیں۔ مَیں نہیں چاہتی آپ کی فطرت میں جو لچک ہے‘ جسے آپ نے شر کہا ہے‘ آپ ان بے مثال عورتوں کی قربت سے محروم رہیں‘ کیونکہ نہ

حسن کی کوئی انتہا ہوتی ہے اور نہ ہی پسندیدگی کی آخری حد متعین ہوتی ہے‘ لہٰذا آپ کی بہتری اس میں ہے کہ رکیں نہیں آگے بڑھیں‘ ایک قطب سے دوسرے قطب تک‘ ایک افق سے دوسرے افق تک‘ حیاتِ جاوید کی معنی آفرینوں پر آپ کا پورا پورا حق ہے۔"

چھ ماہ بیت گئے‘ عشرتِ پیہم کا نشہ نہ ٹوٹا۔

ایسا لگا کرۂ یاقوت کی سابق شاعرہ ہی پوری کائنات ہے۔ اسی کی معیت میں شاہِ یاقوت سے ملاقات ہوئی۔

انہوں نے پوچھا۔ "ہماری دنیا پسند آئی شاعر؟"

عرض کیا۔ "ابھی تک خلوت کدے سے باہر جانا نہیں ہوا۔"

شاہِ یاقوت ہنس پڑے۔ انہوں نے شاعرہ کی طرف دیکھا۔ "فلک نوا آپ نے ہمارے مہمان کو اپنے قطب کی سیر نہیں کرائی۔"

"ہم جا رہے ہیں جناب! آج ہی چلے جائیں گے۔"

"بہت خوب!" شاہِ یاقوت نے خوش ہو کر کہا۔ "ان کی ذہنی ساتھی زریں نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ وہ شاعر کو کرۂ یاقوت کی سیر کرائیں گی‘ لیکن آپ اس کام کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔"

"اعتماد کا شکریہ جناب!" فلک نوا نے خوش ہو کر کہا۔

"محترم شاہِ یاقوت!" مَیں نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کی ــــ "آپ نے مجھ بے نوا کی جس قدر عزت افزائی فرمائی ہے‘ کرۂ زمین پر مَیں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یہاں کی زندگی کی اپنی الگ کیفیت ہے‘ لیکن مَیں ایسا بد بخت آدمی ہوں پھر بھی التماس کر رہا ہوں کہ ’مجھے واپس زمین پر بھیج دیا جائے ـــــ!"

"آپ ہمارے قیدی نہیں ہیں شاعر! ہم نے یہ تجربہ اس لئے کیا تھا کہ کائنات کے دوسرے سیاروں سے رابطہ پیدا کیا جائے۔ ہوسکتا ہے اس کے نتائج بے حد امید افزا ہوں اور ایک دن آئے کہ وسیع تر کائنات کے بھید انسان پر منکشف ہوجائیں۔"

"بجا ارشاد فرمایا۔ انسانیت کے مفاد کی خاطر آپ جتنا عرصہ چاہیں مجھے روک سکتے ہیں۔ لیکن جب اس کی ضرورت باقی نہ رہے، تو مجھے واپسی کی اجازت دی جائے۔"

"ہمارا خیال تھا کرۂ یاقوت میں پہنچ کر کوئی انسان یہاں سے واپسی کے لئے نہیں سوچے گا لیکن آپ کی خواہش کے بعد محسوس ہُوا کہ ہماری دنیا ابھی مکمل نہیں ہوئی۔"

"مَیں یہاں جتنے لوگوں سے ملا ہوں، وہ یہاں کی زندگی کو مکمل کہتے ہیں۔ وہ خوش ہیں، مطمئن ہیں اور دل و جان سے آپ کی عظمت کے معترف ہیں ـــ مَیں بھی اسے مِثالی زندگی سمجھتا ہوں اور آپ کو کائنات کی کامیاب ترین شخصیت کہہ سکتا ہوں۔ لیکن میرا وجدان نہیں مانتا کہ فرشتہ بن جاؤں اور انسانی جبلت سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔"

"آپ جب جبلت کا پرچم اٹھائے آگے بڑھتے ہیں، تو مَیں ہزاروں سال پیچھے ماضی کی طرف لوٹ جاتا ہوں، یعنی مَیں آپ کی طرح انا پرست تھا، کوئی دوسرا میری انا کو نیچا نہیں دکھا سکتا تھا۔ یہ مَیں خود ہی تھا جب مَیں نے اپنی انا کو زیر کیا اور اپنی جبلت پر فتح پائی اور میرے سارے دکھ ختم ہوگئے۔"

مَیں شاہِ یاقوت کے جواب کے سیاق و سباق پر سوچ رہا تھا۔ انہوں نے بات مزید آگے بڑھائی۔

"یہ جو نفس ہے نا شاعر! اجتماعی مؤقف پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ ہمیشہ جنگل کے قانون کی طرف لے جاتا ہے۔ نفس نہ دائیں دیکھتا ہے نہ بائیں، نہ آگے اور نہ پیچھے، صرف اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ خارجیت سے واسطہ نہیں رکھتا، داخلیت کا غلام ہے۔ شیر کو اپنی طاقت پر کتنا گھمنڈ ہے مگر وہ اس طاقت کو جنگل کے دوسرے مکینوں کے لئے وقف کرنے کا روادار نہیں، بلکہ اس کی طاقت اس کی شکم پروری کے احتیاج تک محدود ہے۔ تو شاعر! چہ جائیکہ ہم اس سرکش نفس کے غلام رہتے، ہم نے اسے اپنا غلام بنالیا ہے۔"

"یہ جو آپ کی باتیں ہیں میرے دل میں اترتی جا رہی ہیں۔ پہلے میری خواہش یہ تھی کہ زمین پر واپس جاؤں تو ثمرین کی محبت کا تاج سر پر ہو۔ یہاں پہنچ کر اس خواہش کے ساتھ مزید ایک خواہش کا اضافہ ہوگیا کہ مَیں اپنی فطرت اور جبلت کو بھی بچا کرلے جاؤں۔ اب ان خواہشوں میں ایک تیسری خواہش کا بھی اضافہ ہوگیا کہ آپ کا رویہ، آپ کی باتیں اور آپ کے فکر کی روشنی بھی زمین تک پہنچنی چاہیئے۔"

"لیکن اس سب کے باوجود آپ ابھی تک اپنے نفس کے فریب سے باہر نہیں نکلے؟"

"محترم شاہِ یاقوت! میں ایک ذرۂ ناچیز نفس کے فریب سے نکلا بھی، تو کرۂ یاقوت کی وسعتوں میں گم ہوجاؤں گا! البتہ میری واپسی سے زمین کی تاریخ ایک نئے باب سے عبارت ہوگی۔ مَیں تحقیق کا موضوع بنوں گا، کرۂ ارض کی ترقی کا سبب بنوں گا۔ مَیں انہیں بتاؤں گا کہ تمازت آفتاب کیا چیز ہے اور ہم ہزاروں سال سے شمسی قوت کو کِس طرح ضائع کر رہے ہیں ـــ مَیں انہیں کہوں گا، یہ جو سورج کی کرنیں ہیں نا، ان کرنوں کو کھیتوں میں اگادو، اپنے جنگلوں کو، اپنے باغوں کے

درختوں کے ایک ایک پتے اور ایک ایک ٹہنی کو ان کرنوں سے رفو کردو ——
مَیں اپنے نفس' اپنی جبلت اور اپنی فطرت کی ٹیڑھ کے باوجود سورج کی روشنی اور آپ کے فکر کی روشنی کا پیغامبر بن کر واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"مَیں جان گیا ہوں' مجھے بڑی خوشی ہوئی شاعر! کہ آپ نے واپسی کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ مَیں کہہ سکتا ہوں ہمارا مشن ایک حد تک کامیاب رہا۔ فلک نوا آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کرۂ یاقوت کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گھوم پھر آئیں۔ سال دو سال تک سیر کریں' جب آپ کا جی بھر جائے گا' ہم آپ کی واپسی کا انتظام کردیں گے۔"

مَیں نے ارضی آداب کے انداز میں شکریہ ادا کیا —— اس کے بعد میں اور فلک نوا وہاں سے چلے آئے۔

اسی دن ہم فلک نوا کے طیارے میں پرواز کر گئے۔

فلک نوا نے انکشاف کیا کہ کرۂ یاقوت زمین سے تقریباً" تین گنا بڑا سیارہ ہے' مگر طیارے کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ تقریباً"ایک ہفتے میں ہم کرۂ یاقوت کے چاروں افق گھوم آئے۔

کیا بتاؤں مَیں نے کیسے کیسے خواب ناک مناظر دیکھے۔ سرخ سمندر، سرخ پہاڑ اور سرخ پھولوں کے لامتناہی سلسلے ——

سمندر تو زمین پر بھی ہیں' مگر سمندر میں ہزاروں میل تک لمبی سڑکیں کرۂ یاقوت ہی میں دیکھیں۔ پانی کی یہ سڑکیں نہر کی طرح سیدھی تھیں۔ ان آبی سڑکوں کے نیچے آفتابی سرنگیں بچھادی گئی تھیں' اس لئے ان سڑکوں کا رنگ سمندر کے سرخ پانیوں سے قدرے ہلکا نظر آتا تھا۔

اس پر ہمارا طیارہ یوں رواں دواں تھا گویا ہم کسی بے حد قیمتی کار میں' کسی

خوبصورت شاہراہ پر سینکڑوں میل کی رفتار سے جارہے ہوں۔

یہ پرواز سے بھی زیادہ خوبصورت تجربہ تھا۔

ہمارے دونوں طرف پانی کے فواروں کا تسلسل دیدنی تھا۔

یہ عجیب طیارہ تھا کہ'

خلاؤں اور فضاؤں میں محوِ پرواز ہو' تو اڑن طشتری لگے ——

یاقوتی سڑک پر چلے' تو مشینی بجرے کا احساس ہو ——

اور پانی کی سڑک پر دوڑے تو یوں معلوم ہو جیسے کوئی آبی پرندہ روزمرہ کی اڑان کا ریاض کر رہا ہو۔

اس تجرباتی دورے میں جتنے شہر نظر آئے' سب یاقوتی پہاڑوں پر آباد تھے۔ میدانی علاقوں میں زیادہ تر باغات تھے یا پھر پھولوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے —— فلک نوا کے جسم سے جو خوشبو پھوٹ رہی تھی' اس نے اس سفر میں مجھے پوری طرح مسخر رکھا۔ وہ جو زمین پر آہوئے ختن کے نافے کا جادو مشہور ہے' کچھ ایسا ہی احساس ہوتا تھا کہ فلک نوا کے جسم میں بھی نافہ ہے اور اس نافے کی لطیف خوشبو اس کی سانس اور جسم کے مساموں سے دھیرے دھیرے خارج ہو رہی ہے ——

سفر جاری رہا —— ہمارا طیارہ مختلف شکلیں بدلتا رہا' کبھی اڑن طشتری اور کبھی آبی پرندہ ——

فلک نوا مختلف شکلوں میں جس چابکدستی سے طیارے کو کنٹرول کرتی رہی' وہ اپنی نوعیت کا الگ پہلو تھا —— دل لبھا دینے والا پہلو —— فرصت کی گھڑیوں میں' مصروفیت کی ساعتوں میں' کسی لمحے بھی اس کے ہونٹوں کی دلکش مسکراہٹ اور آنکھوں میں محبت کے رقصاں شعلے بجھنے نہ پاتے۔

یہ عجیب تضاد تھا۔ وہ سراپا مشین تھی اور سراپا محبت بھی۔

مردوں کی سی چابکدستی اور کارکردگی اور مثالی عورت جیسی خود سپردگی اور خود سپاری ----

انتہائی فرض شناس اور انتہائی رومان انگیز ----

وہ ایک طرح سے ریاضی اور ٹیکنیک کا شاہکار تھی۔

اور دوسرے پہلو سے رومانیت اور انسانیت کا امتزاج'۔

پلک جھپکتے میں وہ ڈھیر سارے اور مختلف احساسات کے پھوار سے روح میں طراوتیں گھول جاتی ----

ایک دن میں نے اس سے کہا۔ "مانا کہ عملِ تجدید سے آپ لوگوں کے سینے نیکی اور نور سے بھر بھر جاتے ہیں' لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ کردار کی لطافت اور کوملتا میں تھوڑی بہت کمی بیشی ضرور رہ جاتی ہے۔"

اس نے ہنس کر پوچھا۔ "یہ آپ نے کیسے محسوس کیا ----؟"

میں نے جواب دیا۔ "آپ کے رویے سے' آپ سے پہلے جتنی لڑکیاں ملیں لاجواب تھیں' مگر آپ سب سے افضل ہیں۔ آپ سن کر حیران ہوں گی مگر یہ سچ ہے میں آپ سے پیار کرنے لگا ہوں۔"

اس نے گمبھیر مسکان کے ساتھ میری طرف دیکھا۔

ایسا محسوس ہوا کہ وہ سبک سبک قدموں سے میری روح میں اترتی جا رہی ہے۔

"شاعر!" وہ بےحد بلیغ لہجے میں بولی۔ "میں نے آپ کے احساس کو بہت پہلے پالیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شاہِ یاقوت نے مجھے آپ کی رفاقت کا اعزاز بخشا۔ ہمارا تو وجود ہی محبت سے عبارت ہے۔ کرۂ یاقوت میں کبھی ایسا ہوا تو نہیں کہ کوئی خاص

لڑکی کسی مرد کے لئے مخصوص ہوجائے' لیکن آپ ہمارے ایسے مہمان ہیں جس نے آج یا کل یہاں سے چلے جانا ہے ---- اگر آپ کی خواہش ہے کہ آپ یہاں بھی ارضی محبت کا رویہ اختیار کریں' تو مجھے آپ کی ذات تک محدود ہونے پر بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔"

میرا سینہ جوش اور جذبے سے بھر گیا۔

اس نے بات جاری رکھی۔ "اس کے باوجود آپ پر کوئی قید نہیں ہے۔ ہمارے قطب میں آپ کو کوئی لڑکی پسند آگئی تو اس کی فکر نہ کیجئے گا کہ آپ نے میری محبت کا دم بھرا تھا۔"

"یعنی آپ کو میرے رویے پر اعتراض نہ ہوگا ----؟"

"نہیں ----!" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "ہم رقابت کا زمانہ بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور پھر یہ کہ انسان ایک جگہ رک نہیں سکتا۔ رقابت کرنے والوں کی بھی منزل متعین نہیں ہوتی۔ جنس چیز ہی ایسی ہے کہ نگر نگر بھٹکنا مقدر ہوتا ہے۔"

فلک نوا کی یہ بات بھی میرے دل کو لگی۔

فلک نوا کے قطب پہنچے' تو ایک بار پھر ہماری پذیرائی کی شان و شوکت دیکھنے والی تھی۔

اس بار زریں' ضیاء اور رضا میرے ساتھ نہیں تھے۔

اس قطب کے لاکھوں افراد زمین کے انسان کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ شاہِ یاقوت نے جس انداز میں ہمارا استقبال کیا تھا' یہ اجتماع بھی اس سے کم نہ تھا۔ استقبال کا انداز بھی ویسا ہی رنگین تھا۔

فلک نوا کا احترام بھی اپنی مثال آپ تھا ---- وہ لڑکی جس سے میں عشق جتا

رہا تھا اور جو میری خاطر میری ذات تک محدود ہونے کا وعدہ کر رہی تھی ——
درحقیقت شاہِ یاقوت کی نائب تھی۔

کرۂ یاقوت کی ترقی میں جو لوگ پیش پیش تھے' ان میں سے شاہِ یاقوت کے بعد فلک نوا کا نمبر دوسرا تھا۔

یعنی وہ لڑکی جسے میں اپنی محبوبہ کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔ ایک غیر معمولی ہستی تھی اور میں اب دل ہی دل میں اس سے مرعوب ہو رہا تھا' مگر اس کے رویے میں حاکیت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ وہ اسی دلکش محبوبانہ انداز میں میری رہنمائی کر رہی تھی۔

شاہِ یاقوت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی آنکھیں یاقوت کی طرح سرخ تھیں۔ کچھ اسی طرح کی انفرادیت اور خصوصیت فلک نوا کو بھی حاصل تھی کہ اس کے مساموں سے خوشبو پھوٹتی تھی۔

دوسرے قطبین کے گورنر میں بھی کچھ ایسی ہی صفات تھیں کہ وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے۔ اور یہ امتیاز انہیں فطری طور پر ودیعت ہُوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ ان کا دل سے احترام کرتے تھے۔

استقبالیہ مراحل سے گزر کر جائے قیام پر پہنچے تو مجھ پر نشہ سا طاری تھا۔ شہنشاہوں کی طرح غیر معمولی استقبال کا' اور اس انکشاف کا کہ جس لڑکی کا قرب مجھے حاصل ہے' کتنی بے مثل ہستی ہے۔

وہی کمرے' وہی شان و شوکت اور وہی وجاہت۔

فلک نوا نے یہ کہہ کر مجھے حیرت میں ڈال دیا کہ میرے بائیں جانب کے کمرے میں جو لڑکی مقیم ہے' وہ دنیائے موسیقی کی ایسی باکمال ہستی ہے کہ زمینوں اور آسمانوں میں اس کی مثال شاید و باید ——! اس کی آواز میں ایسا سحر ہے کہ انسان کی رگوں اور نسوں میں خون کی بجائے موسیقی کی نورانی لہریں دوڑنے لگ جاتی ہیں اور آدمی ایسی دنیا میں پہنچ جاتا ہے کہ مہینوں بلکہ سالوں تک اس کے سحر سے آزاد نہیں ہوتا ——

کیا مجال تھی میری ——

کہ ایسی یکتائے روزگار شخصیت دیوار کے اس طرف ہو اور میں اس سے فیض نہ اٹھاؤں ——

فلک نوا ہنستی ہوئی چلی گئی ——

وہ جانتی تھی کہ تقدیرِ انسان کیا ہے ——؟



مَیں چند منٹ کھڑا سوچتا رہا۔

اس انجانی صورتِ حال نے جو کیفیت پیدا کردی تھی' اس نے ایک حد تک فلک نوا سے میرا رابطہ توڑ دیا تھا۔

فلک نوا کی ہنسی کے بھی تقریباً" یہی معنی تھے۔

اسے ڈھٹائی سمجھیں یا انسانی کمزوری' میرا ہاتھ بے اختیار اس بٹن کی طرف اٹھ گیا جس کا رابطہ بائیں کمرے سے تھا۔

اب مَیں دھڑکتے دل کے ساتھ دنیائے موسیقی کی اس باکمال ہستی کا منتظر تھا جس کے طلسمی ذکر نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

یا اللہ ——! تو ایسی ہوتی ہے موسیقی ——!!

مَیں حیران و ششدر اس متبسم نوخیز کلی کو دیکھ رہا تھا جس کا سن پندرہ سولہ برس سے زیادہ کیا ہوگا۔

مگر وہی تو تھی مادر موسیقی ——

کہ سنے بغیر اس کی آنکھوں سے سُر کی کرنیں بہہ رہی تھیں۔

شیر مادر کی سی دھاریں ——

کہ بچہ ہمکتا ہے اور فطرت مچلتی ہے۔

اس کے عنابی ہونٹوں پر بھی رقص بسمل کے بہار کی تڑپ تھی۔

اور اس کی خوبصورت آنکھوں کی لمبی لمبی پلکوں کی جھالروں میں مالکوس کے راگ کا آہنگ تھا۔

ہر سمت امن ہی امن تھا۔

"خوش آمدید ——!"

مَیں اس پُربہار اور پُراسرار راگنی کی طرف بڑھا۔

اس کا تبسم' تبسم زار میں بدل گیا۔

"شاعر ——!" وہ بھی میری طرف بڑھی۔ "مَیں وہ راگنی ہوں کہ جسم کو چھوتی ہوں' لہو میں اتر جاتی ہوں اور پھر سدا کے لئے جسم و جان میں تحلیل ہوجاتی ہوں اور پھر بجھائے نہ بجھے' قلب و شعور دونوں پر میری حکومت چلتی ہے ————!!"

"یعنی —— من تو شدم تو من شدی۔ تاکس نہ گوید بعد ازیں۔ من دیگرم تو دیگری۔"

"شاعر ارض ——!" وہ گمبھیر لہجے میں بولی۔ "مَیں جلوۂ طور تو نہیں کہ خاکستر کردوں' مگر اتنی تب و تاب ضرور رکھتی ہوں کہ خواب شیریں کے افسوں میں پابہ زنجیر کردوں ——!"

"کرۂ یاقوت کی راگنی سمند شوق کو ایک تازیانہ فلک نوا نے لگایا تھا کہ ذکر رنگ و آہنگ چھیڑا۔ رہی سہی کسر آپ نے پوری کردی۔ اب تو کیفیت یہ ہے کہ جو ہو سو ہو میدان میں اترا ہوں پیچھے نہ ہٹوں گا ——!"

وہ مسکرائی —— ایسا لگا' جیسے اس کی آنکھوں کے سُر جگمگا اٹھے ہوں' اور سیمیں بدن کی انگڑائی ردھم میں بدل گئی ہو —— اور اگلا لمحہ' پھر اس سے اگلا لمحہ۔

گویا میں انسان نہیں سراپا احساس ہوں۔

اور وہ لڑکی نہیں ملکوتی صدا ہے ——

پھر احساس اور صدا باہم ضم ہو گئے۔

نہ اسے خبر تھی کہ انسان سے راگ میں بدل گئی ہے ——

نہ مجھے خبر تھی کہ انسان سے احساس میں بدل گیا ہوں ——

نہ عالمِ ہوش تھا، نہ عالمِ مدہوشی ——

اطلاع تھی کہ کہیں ہیں، نہیں ہیں!

ہونے کی سند بھی نہیں اور نہ ہونے کا یقین بھی نہیں ——،

یہ وہم و گمان کی وادی تھی ——،

ایک شاعرِ بے نوا کی گم گشتہ روح تھی ——؟

یہ لمحے تھے یا ساعتیں یا صدیاں تھیں کہ بیت گئیں ——!

اور جب آنکھ کھلی تو میں ایسا تازہ دم تھا کہ پروں کے بغیر اڑنے کو جی چاہتا تھا۔

ایسی آہنگ اور ترنگ پہلے کبھی دیکھی، نہ محسوس کی تھی ——

اور روح کا گداز پن۔

یہ عجیب و غریب کیفیت تھی —— میں نے سوچا ——

کہیں عملِ تجدید سے تو نہیں گزرا ——؟

تب یاد آیا —— میں نے گذشتہ شب ایک لافانی گیت سنا تھا۔ اور غالباً یہ سب کچھ اس ملکوتی گیت کے مرہونِ منت ہے۔

جلدی سے اٹھا اور لپک کر وہ بٹن دبایا جس کا رابطہ بائیں کمرے سے تھا۔ اگلے لمحے ایک حسین لڑکی تیزی سے کمرے میں آ گئی۔ وہ حیرت اور خوشی سے بوکھلائے ہوئے تھی۔

"آپ کو ہوش آ گیا شاعر! آخر آپ جاگ اٹھے نا ——!؟"

میں اس کی حیرت اور خوشی کے لہجے کو ابھی تک نہیں سمجھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اس سے پوچھا۔ "وہ لڑکی کہاں گئی جس نے گذشتہ رات مجھے گیت سنایا تھا ——؟"

لڑکی کھٹ کھٹ ہنس پڑی۔

"گذشتہ رات کی بات بھی خوب رہی شاعر! آپ کو معلوم نہیں ارضی مہ و سال کے حساب سے آپ کو سوئے ہوئے پورے پچاس برس بیت گئے ہیں ——!"

"پچاس برس!" میں پاگلوں کی طرح چیخا۔

"ہاں!" اس نے میری بے چینی پر دھیان نہ دیا۔ "پچاس برس سو کر آپ کے اعصاب کو کتنا سکون ملا ہے۔ آپ کا چہرہ کتنا تر و تازہ اور شگفتہ ہے بالکل معصوم بچوں کی طرح۔"

"آپ کیا کہہ رہی ہیں ——؟ یہ کیسے ممکن ہے، پچاس برس تک کوئی انسان سو سکتا ہے ——؟"

"کیوں نہیں ——" لڑکی اعتماد سے بولی۔ "آپ نے ندا کا گیت سنا تھا۔ قدرت نے اس کے گلے میں نور کی گھنٹیاں سجا دی ہیں۔ یہی تو کمال ہے ندا کا، جو اسے سنتا ہے دنیا و مافیہا کو بھول جاتا ہے۔"

"اے خدایا!" ——

سب سے پہلے مجھے ثمریں کا خیال آیا ——

گویا اب وہ ستر بہتر برس کی بڑھیا ہو گی، پوتوں پوتیوں والی، دانت گر چکے ہوں

گے' نظر جاتی رہی ہوگی' کیا پتہ زندہ بھی ہوگی یا نہیں ----؟"

آمنا سامنا ہوگا تو کون یقین کرے گا' کون میری بات مانے گا' اب تو وہ بچے بھی بڑھاپے کی منزل میں ہوں گے جنہیں میں ماؤں کی گود میں چھوڑ آیا تھا' اور میں ویسے کا ویسا کڑیل جوان ----

لڑکی مجھے پریشان اور خیالوں میں ڈوبا ہُوا پاکر آگے آئی۔

"کوئی پیغام' کوئی کام! میں پچاس برس سے آپ کی سروس میں ہوں۔"

"اس قدر طویل انتظار ----!!" میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے اپنی خوشی سے یہ ذمہ داری قبول کی تھی۔ میں صبح' دوپہر' شام اور رات کئی بار آپ کو دیکھتی تھی۔ اس کام میں میرے لئے بڑا تجسّس تھا۔"

"میں اس توجہ کے لئے شکر گزار ہوں۔ کیا میں ایک بار پھر ندا سے مل سکتا ہوں ----؟"

"کیوں نہیں' مگر وہ تو جا چکی ہے اپنے قلب میں۔ وہ اپنے قلب کی گورنر ہے۔"

"اچھا تو وہ بھی گورنر ہے!"

سامنے کا دروازہ کھلا ---- فلک نوا مسکراتی ہوئی ہماری طرف آرہی تھی' مجھے پریشان دیکھ کر بولی۔

"گھبرائیں نہیں۔ واپس جائیں گے تو قطرۂ حیات ساتھ لیتے جائیں' حلق سے اترتے ہی آپ کی بوڑھی محبوبہ جوان ہوجائے گی!"

"بہتر ہوتا آپ مجھے ندا سے نہ ملاتیں۔"

"ندا کو میں نے نہیں بلایا تھا' وہ خود آپ سے ملنے آئی تھی جس طرح خود میں آپ سے ملنے گئی تھی۔ ہمارا تجسّس ہمیں آپ کے پاس لایا تھا۔"

"میرا خیال ہے اب مجھے واپسی کی اجازت مل جانی چاہیئے۔ آپ اس سلسلے میں میری مدد کرسکتی ہیں ----؟"

"یقیناً" لیکن ابھی تو آپ نے پورے کرۂ یاقوت کی سیر بھی مکمل نہیں کی----؟"

"حسن بے کنار اور لطف بے پایاں' یہی ہوگا نا ----؟"

فلک نوا ہنس پڑی ----

"اگر آپ کو یاد نہیں تو یاد دلاؤں' آپ نے ایک دن میری محبت کا دم بھرا تھا----؟"

"مجھے اعتراف ہے کہ میں کسی مرحلے پر بھی ثابت قدم نہیں رہا۔ بہت ممکن ہے ثمرین کی محبت بھی محض فریب ہو۔ میں کتنا بدنصیب ہوں کہ جو کچھ میرے پاس ہے' اس پر صبر نہیں کرپاتا۔ میں اپنی فطرت کا کھلونا ہوں۔ یہی میری ابتدا یہی انتہا ہے۔"

"میرا خیال ہے زمین پر پہنچ کر آپ تنہائی محسوس کریں گے۔ آپ کو بار بار خیال آئے گا کہ کرۂ یاقوت کچھ اتنا برا نہیں تھا۔"

"ممکن ہے ہزار دو ہزار سال بعد ہمارا رابطہ قائم ہوجائے اور ہم اپنی مرضی سے ایک سے دوسرے کرے میں آجاسکیں۔"

"ہاں ممکن تو ہے' آپ پچاس سال سوتے رہے۔ اس عرصے میں یہ تبدیلی ہوئی' ہمارا طیارہ اب دو سال کی بجائے ایک سال میں آپ کو زمین پر پہنچا دے گا۔"

"مہربانی کرکے آج ہی یہاں سے چلیں۔"

وہ ہنس پڑی۔

اس لڑکی کا آپ کو ذرا بھی خیال نہیں جو مسلسل پچاس سال تک آپ کی خبرگیری کرتی رہی ----"

"مجھے افسوس ہے مَیں کس قدر خود غرض ہوں۔ زمین کا آدمی ہوں نا! احسان فراموشی مجھے گھٹی میں ملی ہے۔"

"وہ لڑکی جو سراپا محبت نظر آرہی تھی' مسکرا کر بولی۔" آپ پریشان نہ ہوں مَیں آپ کو ہرگز نہیں روکوں گی۔"

"مَیں ہفتہ دس دن مہینہ رک بھی جاؤں' تو بھی پچاس سالوں کی مہربانیوں کی تلافی کیونکر ہوسکتی ہے۔ میرے لئے صرف ایک ہی رلو ہے معذرت کروں اور آپ کی عالی ظرفی سے فائدہ اٹھاؤں۔"

مجھے بے حد مسرت ہوگی کہ آپ جلد از جلد زمین پر پہنچیں۔ مَیں فلک نوا سے بھی گزارش کروں گی کہ فوراً" آپ کو شاہِ یاقوت تک پہنچا دیں۔"

"اس حکم کی تعمیل ہوگی --" فلک نوا خوش ہوکر بولی۔ "چلئے طیارہ تیار ہے۔"

دورانِ پرواز مَیں نے فلک نوا سے کہا۔ "یہ عجیب بات ہے کرۂ یاقوت پر آنے کے بعد مجھے شعر کی تحریک نہیں ہوئی۔"

"یہاں پہنچ کر پیغمبری کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آپ کی داخلی فعالیت اور تناؤ ختم ہوچکا ہے۔ آپ کا جذباتی انتشار کرۂ یاقوت کی وحدتِ فکر سے آنکھ ملانے کا اہل نہیں۔ آپ کا الہامی رویہ یہاں کے منطقی رویے کے سامنے ماند پڑ گیا ہے اور سب سے اہم بات یہاں کی فطری آزادی اور زمین کی اقدار اور ذہنی بندشوں کے تقابل سے آپ بوکھلا گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ خود کو خالی خالی محسوس کرتے ہیں۔"

فلک نوا کی یہ بات بھی میرے دل کو لگی۔ اس کے باوجود مَیں نے اس سے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں مجھے کسی چیز کی جستجو تھی۔ جستجو کی یہ خواہش شعر کا باعث بنتی رہی ----؟"

"اور یہاں آپ نے جستجو کی تکمیل دیکھی تو تخلیق کے سارے سوتے بند ہوگئے ----"

"ایسا نہیں ہوسکتا فلک نوا! آپ نے مجھے جس سیر چشمی کی دولت سے نوازا ہے' اسے واپس لے لیں ---- مجھے پھر سے کنگال کردیں اور حسرتوں کے انبار لاد کر مجھے الوداع کہیں ----؟"

"تو آپ نرے شاعر بن کر واپس جانا چاہتے ہیں۔" وہ ہنس کر بولی --"ایسا ہو بھی جائے تو بھی کرۂ یاقوت کا سائنسی شعور آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ جذباتیت کی ایک منزل متعین ہوتی ہے وہاں پہنچ کر سفر ختم ہوجاتا ہے' مگر شعور کی کوئی سرحد نہیں ہوتی اور انسان ہمیشہ سفر میں رہتا ہے۔"

"ایسا ہے' تو کرۂ یاقوت کے لوگ کیوں کہتے ہیں کہ ان کی تکمیل ہوچکی ہے؟"

"ایک حد تک تکمیل ہوچکی ہے کہ ہم نے موت پر فتح پائی' زندگی کو سہل اور پُرکشش بنایا۔ لذتِ ذہن اور لطفِ ہم جنسی کو مثالی حیثیت تک پہنچایا' البتہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم نے کائنات کا بھید پالیا ہے۔ یہی وجہ ہے جب میں کہتی ہوں کہ شعور کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا۔"

"شاعر میرے تحت الشعور میں بھی یہی بات ہو کہ مَیں زمین کے سفر کے لئے بے چین ہوں۔"

"دراصل ایک شاعر کی ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ ہمیشہ دنیا سے شاکی رہے۔ اس

کا خیال ہوتا ہے دنیا ایسی کیوں نہیں جیسے وہ چاہتا تھا۔ اسے یہ بھی یقین ہوتا ہے
کہ بختِ سکندری صرف اسی کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے تھا اور ظلِ ہما پر صرف
اسی کا حق بنتا ہے۔"

"آپ کہنا چاہتی ہیں کہ وہ ایک غلط یقین کی بنیاد پر جہدِ حیات سے بے نیاز
رہتا ہے ——؟"

"اگر میری بات کا یہی مطلب نکلتا ہے، تو کوئی حرج بھی نہیں، کیونکہ جب
مَیں شاعری کرتی تھی اس وقت مجھے احساس نہیں تھا کہ ہما ایک تصوراتی پرندہ ہے
اور اس کا حصول بھی محض ایک تصور ہے۔"

"تو گویا شاعر ایک ایسی چیز ہے جو وہم پالتا ہے، خلا میں کھیت اگاتا ہے اور
ایسی فصل کاٹتا ہے جو کبھی بوئی نہ گئی ہو۔"

"مگر اس کے باوجود اسے گمان ہوتا ہے کہ احساس و جذبے کی تہذیب کا کام
فطرت نے اسی کو سونپا ہے اور لوگ اسے جمالیات اور تجلیات کی علامت جانیں۔"

فلک نوا کی خوش کلامی، الہامی سی چیز محسوس ہوتی تھی اس کے جسم ہی سے
خوشبو نہیں پھوٹتی تھی، گفتگو کرتے وقت بھی اس کے منہ سے پھول جھڑتے تھے۔

شاہِ یاقوت مجھے دیکھتے ہی ہنس پڑا —

"آدھی صدی کے بعد واپس آئے ہیں۔ کیا ندا کا گیت سننے سے پہلے کسی
نے آپ کو نہیں بتایا کہ اس کی آواز میں کیسا جادو ہے ——؟"

"بتایا تو تھا۔" مَیں نے جواب دیا۔ "خود ندا نے بھی مجھ خبردار کیا تھا، مگر یہ
کب جانا تھا کہ ایک گیت سننے کی قیمت پچاس سالوں کی خود فراموشی ہوگی۔"

شاہِ یاقوت ہنس پڑا۔

"وہ لڑکی عجوبہ ہے عجوبہ، ہم نے اس کا سائنسی تجزیہ کیا ہے۔ اس تجزیے
سے انکشاف در انکشاف ہوئے۔ ان انکشافات سے کرۂ یاقوت کو بہت فیض پہنچا۔"

"معلوم ہوتا ہے کرۂ یاقوت پر چند ایسے آدمیوں نے جنم لیا جو بے حد غیر
معمولی تھے۔ ان کی مختلف خصوصیتوں نے زندگی کو آفتاب و ماہتاب بنادیا۔"

"ہاں چھوٹی چھوٹی خصوصیتیں جب ایک مرکز پر مجتمع ہوگئیں تو وہ پہاڑ کی
طرح ٹھوس اور اٹل ہوگئیں۔ قطرہ قطرہ حسن اور جرعہ جرعہ سچائیاں یکجا ہوئیں تو
زندگی نے سمندر کی طرح دامن پھیلا دیا۔ یہ وحدتِ فکر کا نتیجہ تھا کہ آفتاب
سمٹ کر کرۂ یاقوت کی آغوش میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔"

"آپ جب چاہیں یہاں سے جاسکتے ہیں۔ ہم نے آپ کے لئے طیارہ
مخصوص کردیا ہے۔ سفر کے لئے آپ جن ساتھیوں کو پسند کریں گے وہی آپ کے
ہمسفر ہوں گے۔"

"ان کرم فرماؤں کے لیئے بے حد شکر گزار ہوں۔ اگر حرج نہ ہو، تو مَیں
چاہوں گا کہ میرے ہم سفروں میں سے ایک فلک نوا ہو ——؟"

"فلک نوا کو اجازت ہے۔ ہمیں خوشی ہوگی کہ آپ کا سفر خوشگوار ہو۔"

شاہِ یاقوت سے ملنے کے بعد مَیں اپنے کمرے میں پہنچا تو فلک نوا نے ہنستے
ہوئے کہا۔ "مجھے خوشی ہے شاعر! کہ آپ نے ہمسفر بنانے کے لئے میرا نام لیا،
لیکن مجھے تو لوٹنا ہی ہوگا۔ کرۂ ارض پر آپ نے اکیلے ہی اترنا ہے۔"

"یہی میرا مقدر ہے، جو میرے نہیں رہے ان کے پاس جا رہا ہوں، جو میرے
ہوچکے ہیں انہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

"ایسی واضح بات جانتے ہیں پھر بھی جا رہے ہیں ——؟"

"ہاں ثمریں کو دیکھنے کی خواہش نہیں مری۔"

"زمین کے لوگ آپ کو دیوانہ تو نہیں کہیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"خیال تو مجھے بھی ہے۔"

"کرۂ یاقوت پر پہنچنے سے پہلے آپ کی عمر تیس برس تھی۔ دو سال راستے میں گزرے، دو سال محوِ نشاط رہے، پچاس سال سوتے رہے۔ ایک سال واپسی میں لگے گا۔ پچاسی برس کا آدمی اٹھارہ برس کی شکل لے کر زمین والوں کو کیسے یقین دلا سکے گا کہ وہ فلاں ابن فلاں ہے ------؟"

"مَیں جانتا ہوں یہ سب کچھ ہوگا۔ بہت سے لوگ مرکھپ گئے ہوں گے جو زندہ ہوں گے بوڑھے ہوں گے۔ خود میری بہن جسے مَیں بارہ برس کا چھوڑ آیا تھا اب چھیاسٹھ برس کی ہوگی، لیکن مَیں تو بہرحال ایک مشن لے کر واپس جا رہا ہوں۔ یہ واپسی کچھ کم دلچسپ نہ ہوگی۔"

"مَیں جانتی ہوں آپ کا مذاق اڑایا جائے گا۔ آپ کی پذیرائی بھی ہو گی۔ مختلف سطح کے لوگ آپ سے مختلف سلوک کریں گے۔"

چونکہ مَیں اور فلک نوا محوِ نشاط نہیں تھے، اس لئے نیلی بتی آن نہیں تھی۔ ظاہر ہے اس سے کوئی بھی ہمارے کمرے میں آسکتا تھا۔ سبز بتی روشن ہوئی۔ ہم دونوں نے دروازے کی طرف دیکھا، زریں، ضیاء اور رضا کمرے میں داخل ہوئے۔

"تو آپ جا رہے ہیں ------؟" زریں نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مَیں نے تو جانا ہی تھا زریں!" مَیں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ اسے روک لیجئے نا۔" فلک نوا نے لقمہ دیا۔ "آپ اس کے زمینی ساتھی ہیں۔ آپ کا حق بنتا ہے۔"

"جسے فلک نوا جیسی ہستی نہ روک سکی، وہ ہمارا کہا کب مانے گا۔" ضیاء بولا۔

"دوستو! بس مجھے جانے دو کہ زمین مجھے بلا رہی ہے۔"

"ہم تو آپ کو الوداعی سلام کہنے آئے تھے۔" رضا بولا۔ "یہ کہنے کی

ضرورت تو نہیں کہ آپ ہمارے بہن بھائیوں کو کیا کہیں گے۔"

"مگر عملِ تجدید کے بعد تو آپ لوگ خونی رشتوں کے قید و بند سے آزاد ہوگئے ہیں۔ یارانِ وطن کیسے ہیں، آپ کی بلا سے، اب وہاں بوم بسے یا ہما۔"

سب ہنس پڑے۔

"بات دراصل یہ ہے۔" مَیں نے بات آگے بڑھائی۔ "ہم زمین کے لوگ ابھی اجتماعی زندگی کا تصور نہیں رکھتے۔ ہم ذات کے خول میں بند ہوتے ہیں اور ذات کی حد تک ہی بہتر مستقبل کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ خود آپ کرۂ یاقوت کی زندگی کی کشش دیکھ کر عملِ تجدید کے لئے آمادہ ہوگئے اور مَیں جو واپسی کے لئے بضد ہوں اس میں اجتماعی عوامل کم اور ذاتی وجوہ زیادہ ہیں ------"

"ذاتی وجوہ کا المیہ بھی عجیب ہے۔" زریں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ ستر اسی برس کی بڑھیا کے لئے اس قدر بے چین ہو رہے ہیں۔"

"کیا کروں، مَیں عملِ تجدید سے نہیں گزرا ------ زمینی رشتے بھی نہیں ٹوٹے۔"

"ان کی کامیابی یہ ہے۔" فلک نوا بولی۔ "کہ اپنی فطرت کو بچا کر لے جا رہے ہیں۔"

"ان کے ظرف کی تو داد دینا ہی پڑے گی۔" زریں بولی۔ "دو سال محوِ نشاط رہے۔ پچاس سال سوتے رہے، مگر پھر بھی اٹل ہیں۔ زمین سے وفا کا دم بھرتے ہیں۔"

"زریں سچ سچ بتاؤ۔" مَیں نے پوچھا۔ "آپ کو بھی یہاں باون سال ہوگئے ہیں۔ کیا یہ دائمی عیش و نشاط اور زندگی کی یکسانیت بار نہیں لگی۔"

"ہر روز، روز عید، ہر شب، شبِ برات، اور کیا مانگوں خدا سے!"

"ایک چیز مانگ سکتی ہیں' حوصلہ' ۔۔۔مراعات کے رد کرنے کا حوصلہ مانگئے خدا سے!"

"وہ تو سارا کا سارا آپ نے سمیٹ لیا ہے شاعر! یہی ایک دولت تو ہوتی ہے شاعروں کے پاس!"

اور پھر وہ دن بھی آگیا جب پورے اعزاز کے ساتھ مجھے کرۂ یاقوت سے الوداع کیا گیا۔

طیارے میں فلک نوا کے ساتھ دوسری لڑکی کو دیکھ کر میں چونکا۔ طیارے میں دوسرے فلک باز کا ہونا ضروری تھا مگر یہ وہ لڑکی تھی جو عالم خود فراموشی میں پچاس برس تک میری خبر گیری کرتی رہی تھی۔

فلک نوا نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی۔ "مَیں چاہتی تھی جب آپ کرۂ یاقوت سے جائیں تو سب کے قرضے چکاتے جائیں۔"

مَیں نے ہنس کر کہا۔ "قرض تو خیر چکا دوں گا' مگر جنسی آزادی کے باوجود آپ کی مکمل دنیا میں جنسی تشنگی کا مسئلہ حل طلب ہے۔"

"جنس تو ہے ہی تجسس کا نام۔" وہ بولی۔ "ورنہ نتائج تو بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں۔ غالباً" کائنات میں جنس ہی واحد مسئلہ ہے جہاں شعور بے بس ہو جاتا ہے۔ خود مَیں جنسی تجسس کی خاطر اپنے قطب سے آپ کو ملنے گئی تھی ۔۔۔۔۔۔ خود آپ کرۂ یاقوت سے زمین کی طرف لوٹ رہے ہیں کہ وہاں آپ کی محبوبہ ہے!"

گویا زندگی کسی نہ کسی کشش کا نام ہے۔ یہ کشش حکومت کی ہو' عورت کی ہو' دولت کی ہو یا شہرت کی ۔۔۔۔؟"

"کم از کم زمینی زندگی کے نقطۂ نگاہ سے یہ بات درست ہے کیونکہ ایک زمانے میں ہم کرۂ یاقوت کے لوگ بھی آپ جیسی فکر رکھتے تھے۔"

مَیں نے ہنس کر کہا۔ "گویا اب قدرِ مشترک صرف جنس رہ گئی ہے' اس فرق کے ساتھ کہ آپ نے اختلاط کے لمحوں کو طویل کر دیا ہے' شاید ایک وقت آئے کہ حکومت کا نشہ' دولت کی ہوس اور عورت کی خواہش کی طرح آپ جنس کے تجسس کو بھی ختم کر دیں ۔۔۔۔؟"

"شاید ہم ایسا نہ کریں کہ اختلاط کی امنگ ہی تو لطف انگیزی کا سرچشمہ ہے۔"

دوسری لڑکی ہماری باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی ۔۔۔۔ طیارہ محوِ پرواز تھا اور فاصلوں کی طنابیں کھینچ رہا تھا۔ خواب جیسا خوبصورت کرۂ یاقوت پیچھے رہ گیا تھا اور مبالغے کی حد تک غیر معمولی خوبصورت لوگوں سے ہمارا ناتا ٹوٹ چکا تھا۔

زمین کی کشش مجھے کھینچ رہی تھی۔

مجھے اپنی منفرد حیثیت کا احساس تھا مگر مَیں سوچ رہا تھا اور اس لیے سے ڈر رہا تھا جب ثمرین سے سامنا ہو گا ۔۔۔۔ بیس پچیس سال کی شاداب و بھرپور ثمرین کی جگہ تقریباً" پچاسی سال کی بڑھیا کو دیکھ کر کیا محسوس کروں گا ۔۔۔؟ کیا مَیں ثابت قدم رہ سکوں گا ۔۔۔؟"

اچانک فلک نوا کھڑی ہو گئی دو چار قدم چہل قدمی کے بعد نہایت بشاش لہجے میں بولی۔

"شاعر! کیسا رہے اگر میں کرۂ یاقوت واپس نہ جاؤں اور آپ کے ساتھ زمین پر رہ جاؤں ۔۔۔۔؟"

مَیں یک بارگی اچھل پڑا۔

"پھر تو میری تکمیل ہو جائے گی' مگر اس قدر بے کنار مسرتوں کو مَیں برداشت

کیسے کروں گا ----؟"

"یعنی آپ چاہتے بھی ہیں اور نہیں بھی چاہتے۔ آپ کے مزاج میں وہی انتشار اور وہی اضطراب ہے۔ آپ تکمیل کے لئے لپکتے بھی ہیں لیکن مسرتوں کی یلغار سے گھبرا بھی جاتے ہیں۔"

"مگر اس کے باوجود آپ کا زمین پر رہنا کائنات کا غیر معمولی تجربہ ہوگا۔ مجھ سا خوش نصیب روئے زمین پر دوسرا نہیں ہوگا۔"

"لیکن آپ کی محبوبہ کا کیا بنے گا ----؟"

"آپ سے شدید قرب کے باوجود آپ نے کرۂ یاقوت میں مجھ پر پابندی نہیں لگائی تھی' اب میں کیوں توقع نہ رکھوں کہ ثمرین کے بارے میں آپ کا رویہ وہی ہوگا ----؟"

فلک نوا ہنس پڑی۔ "زمین کا سفر شروع ہوتے ہی آپ نے خود غرضی شروع کردی۔"

"محبت میں سب جائز ہوتا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اگر یہ خواب سچ ہوجائے تو یہ سفر کتنا شاندار ہوجائے گا۔ پھر میں واقعی فخر کرسکوں گا کہ کرۂ یاقوت کے ایک قطب کی گورنر میری خاطر زمین پر آئی ہے اور جب میں لوگوں کو بتاؤں گا کہ فلک نوا کے جسم سے خوشبوئیں پھوٹتی ہیں تو زمین کے چاروں افق تہلکہ مچ جائے گا۔"

میرا جوش دیکھ کر وہ پھر ہنس پڑی۔

"میں تو آپ کو چھیڑ رہی تھی ورنہ شاعری تو میں نے کب کی ترک کردی ہے۔ بات یہ ہے شاعر! کہ آپ سے کئی ہزار سال زیادہ ترقی یافتہ تہذیب کو چھوڑ کر زمین کے خون خرابے میں سانس لینا میرے لئے بے حد دشوار ہوگا اور پھر میں اپنے لوگوں کو چھوڑ بھی نہیں سکتی۔ ہم نے ہزاروں سال کی محنتوں کے بعد گھر بنایا ہے۔ ایک چھوٹی سی جنت بسائی ہے' ہم اپنی جنت میں بہت خوش ہیں۔"

"میں نے سوچا تھا آپ میرے ساتھ ہوں گی تو لوگ میرا یقین کریں گے۔ صرف یقین ہی نہیں' ہم دونوں مل کر نئے نصب العین کا پرچار کریں گے۔ آپ دیکھتیں دنیا کے سارے دکھی لوگ ہمارے ارد گرد جمع ہوجاتے۔"

"انتظار کریں کرۂ ارض پر کچھ ایسے لوگ پیدا ہوجائیں گے جو شاہِ یاقوت جیسی نیت اور شعور لے کر آئیں گے اور زمین کی خرابیوں کو ختم کردیں گے۔"

"آپ بھی تو شاہِ یاقوت کی دستِ راست ہیں۔ نیکی بہرحال نیکی ہوتی ہے۔ کائنات کے کسی بھی گوشے میں روشنی پھیلانے پر پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔

"مجھے آپ سے اتفاق ہے مگر میں نے تو آپ سے کہہ دیا ہے کہ میں اپنے لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتی۔ ہماری ارتقا ابھی جاری ہے اور اس میں میرا بھی کچھ حصہ ہے ---- اور یہ بھی یاد رکھیئے کہ تبدیلی ایک دن میں یا ایک سال میں نہیں آتی۔ جانے والے' آنے والوں کے لئے راستے ہموار کرتے ہیں۔ آنے والا دن گزرنے والے دن کا مرہون منت ہوتا ہے۔ آنے والی صدی کا شعور گزشتہ صدی کے شعور کو آگے بڑھاتا ہے ---- آخر ایک دن آتا ہے کہ اجتماعی شعور کے بطن سے کوئی جینئس پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے کرے کا مقدر بدلنے پر قادر ہوجاتا ہے۔"

"جیسے شاہِ یاقوت ----؟"

"ہاں ---- وہ بہت غیر معمولی انسان ہے۔ اس نے جو کچھ کرۂ یاقوت کو دیا' معجزے سے کم نہیں۔ پھر بھی اس نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا' کرتا تو لوگ اسے مان بھی لیتے' مگر یہ اس کی عظمت تھی کہ اس نے انسان ہونے پر ہی فخر کیا۔"

"آپ کی بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے ہاں خدائی تصور موجود ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں' ہم اس جستجو میں ہیں کہ کائنات کے بھیدوں کو پالیں' جب تک یہ بھید نہیں کھلتے کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتی۔ کم از کم میری تو خواہش ہے کہ خدا کی موجودگی کا تجسس قائم رہے کہ حیات کی تازگی اور شادابی بھی اس تصور میں مستور ہے۔"

"ہاں ـــــ مَیں بھی خدا کو اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور اس احساس سے مجھے تقویت پہنچتی ہے۔ مجھے ان لوگوں پر ترس آتا ہے جو خدا کے تصور کو رد کرتے ہیں اور حیرت بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے خالی اور کھوکھلے سینوں کے ساتھ کیونکر خوش رہ سکتے ہیں۔"

"ایک بات بتاؤں شاعر! ایک زمانہ تھا جب مَیں شاعری کرتی تھی اور ہم لوگ ابھی موت پر قادر نہ ہوئے تھے' مَیں خدا کے بارے میں ڈانواں ڈول رہتی تھی' لیکن جب عملِ تجدید سے گزری' سائنسی آب و تاب سے میرا سینہ روشن ہُوا تو بجائے اس کے کہ خدا سے دور چلی جاتی' میرے احساس میں روحانیت کی شمع روشن ہوئی ـــــ یعنی شعور نے جہاں مجھے سائنسی رویہ اپنانے پر مائل کیا' اسی شعور نے میرے احساس میں خدا کے تصور کو زندہ رکھا۔"

"یعنی آپ کی روحانیت کسی عقیدے کی محتاج نہیں۔ آپ شعوری طور پر خدا کے تصور سے رابطہ رکھتی ہیں ـــــ؟"

"اس میں کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ عقیدہ تو محض وراثت میں ملنے والی چیز ہے جبکہ شعوری فیصلہ خود اپنا فیصلہ ہوتا ہے اور حقیقی پہچان بھی وہی ہوتی ہے جسے انسان بالواسطہ نہیں بلاواسطہ حاصل کرتا ہے۔"

فلک نوا حسبِ معمول پھول اگل رہی تھی اور مَیں اس کی باتوں سے تقویت حاصل کر رہا تھا۔

صبا خاموش تھی اور ہماری باتوں کو غور سے سن رہی تھی۔

وقت گزر رہا تھا۔

صبا کی جنسی تجسس کا مسئلہ حل ہوچکا تھا کیونکہ فلک نوا نے ہمیں طیارے میں خلوت کدہ بھی مہیا کردیا تھا۔

اب چھ ماہ گزر چکے تھے۔

اس عرصہ میں شاہِ یاقوت سے بھی رابطہ قائم رہا یاقوتی گولے میں فلک نوا سے ان کا مکالمہ گاہے بگاہے ہوتا رہا۔

فلک نوا نے بتایا۔ "شاہِ یاقوت کی خواہش ہے اگر شاعر آخری لمحے میں بھی واپسی کا فیصلہ کرلے' تو ہم اسے خوش آمدید کہیں گے۔"

مگر میرا فیصلہ اٹل تھا۔ مَیں ایک نظر ثمریں کو دیکھنا چاہتا تھا بلکہ اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

یاقوتی گولے میں ثمریں سے رابطے کی خواہش کا اظہار بھی کیا مگر فلک نوا نے منع کردیا ـــــ یعنی جس لڑکی کی خاطر مَیں نے کرۂ یاقوت چھوڑا اور اس کے لئے قطرۂ حیات حاصل کیا' اسے یاقوتی گولے میں دیکھ کر میرا تجسس ختم ہوجائے گا ـــــ بہتر ہے کہ رومانیت کا شیش محل کھڑا رہے اور سفر جاری رہے اور جب میں منزل پر پہنچوں تو فیصلہ کرسکوں کہ یہ منزل ہے یا نشانِ منزل ـــــ؟ آگے جانا ہے یا پیچھے جانا ہے؟

اور یہ کہ مَیں نے کیا کرنا ہے ـــــ؟

فلک نوا کی رائے درست تھی ـــــ میں ثمریں کو حیران کردینا چاہتا تھا۔ ایک ایسی لڑکی' جس سے گہری جذباتی وابستگی رہی ہو' تقریباً آدھی صدی کے بعد

اس شخص کا سامنا کرے جس کی زندگی اور موت کی کوئی خبر نہ ہو اور وہ پچپن سال بعد بھی جوان رعنا ہو' تو ثمرین کا ردِ عمل دیدنی ہوگا۔

آخر وہ گھڑی آگئی جب ہمارا طیارہ زمین کے مدار میں داخل ہوگیا فلک نوا اور صبا حیرت اور مسرت سے زمین کو دیکھ رہی تھیں۔

سرخ دریاؤں کی جگہ نیلے پانیوں اور سرخ درختوں کی جگہ سبزہ زاروں کو دیکھ کر وہ حیران اور خوش ہو رہی تھیں۔

صبا نے میری طرف دیکھا"یہ زمین کوئی ایسی بری جگہ تو نہیں۔"

"بری کا کیا سوال' بہت خوبصورت نظارہ ہے۔" فلک نوا نے جواب دیا۔

"جو لوگ یہاں بستے ہیں ان کے لئے جنت سے کم نہیں ہے۔"

زمین کو دیکھ کر میرا دل مچل مچل رہا تھا۔ زمین سے میرے کئی رشتے تھے۔ خونی اور جذباتی رشتوں کے علاوہ تاریخی' جغرافیائی' ثقافتی اور تہذیبی رشتے' جوں جوں طیارہ نیچے ہو رہا تھا میرے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہمارے استقبال کے لئے وہ سماں نہ تھا جو کرۂ یاقوت پر دیکھا تھا بلکہ سرے سے استقبال کی کوئی بات ہی نہیں تھی مگر قلبی کیفیت دو چند تھی۔

بے چینی اور بیقراری میں بھی لطف بے پایاں تھا۔

یہ ایک خوشگوار صبح تھی ـــــ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ ہمارا طیارہ ایک ویران ساحلِ سمندر پر اتر گیا۔

فلک نوا اور صبا نے بیک وقت مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ اس مسکراہٹ میں حسرت بھری الوداعی کیفیت تھی۔

"یہاں سے آپ کا شہر دور نہیں ہے۔" فلک نوا دھیرے سے بولی۔

"دو چار میل شمال کی طرف جائیں گے' تو آپ کو سڑک مل جائے گی' سڑک پر پہنچ کر آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ آپ نے کہاں جانا ہے؟"

دونوں سے گلے ملا' دونوں کو باری باری چوما تو میری آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ پچاس پچپن برس بعد یہ پہلا موقع تھا کہ میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

فلک نوا ہمدردانہ لہجے میں بولی۔ "مَیں نے کئی ہزار برس بعد انسان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے ہیں۔ مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ آپ کو ہم سے بچھڑنے کا احساس ہے۔"

پھر اس نے ایک بٹن دبایا' دراز کھلی۔ اس میں تقریباً" چھ انچ کے سائز کا سنہری ہشت پہلو ڈبہ پڑا تھا۔

اس نے ڈبہ اٹھا کر میری طرف بڑھایا۔ اس کے اندر ایک چھوٹی سی شیشی ہے۔ اس میں متاعِ حیات ہے جو آپ کی محبوبہ کے حلق سے اترتے ہی آپ کی دنیا بدل کر رکھ دے گا۔"

یہ خوبصورت ڈبہ میرے ہاتھوں نے چھوا' تو جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

فلک نوا نے ایک بٹن دبایا ـــــ اب چھوٹا سا ربڑ کا دروازہ کھل گیا۔ اس دروازے کے پیچھے شیشے کے مانند کسی دھات کا شفاف ایک اور دروازہ تھا۔ فلک نوا بولی۔ "آپ ربڑ کے دروازے سے نکلیں گے' مَیں بٹن دباؤں گی تو ربڑ کا دروازہ بند ہوجائے گا اور باہر کا دروازہ کھل جائے گا۔ آپ کا اگلا قدم زمین پر ہوگا۔"

مَیں سمجھ رہا تھا کہ دروازوں کے باری باری بند ہونے اور کھلنے کی احتیاط اس لئے ہو رہی ہے کہ طیارے میں زمینی جراثیم داخل نہ ہوجائیں' ربڑ کا دروازہ کھلا تھا۔

مَیں نے ایک بار پھر گہری نظروں سے فلک نوا کی طرف دیکھا۔ فلک نوا ہنس پڑی۔

"یہ لمحہ تو آنا تھا شاعر! ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ کرۂ یاقوت ہمیشہ آپ کو یاد رکھے گا۔"

ہاں ---- یہ آخری الفاظ تھے جو کرۂ یاقوت کی بے مثال خاتون کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔

مَیں دروازے کی طرف مڑا اور اگلے لمحے دروازے کے باہر تھا ---- ربڑ کا دروازہ جھپاک سے بند ہوگیا اور شیشہ نما دروازہ دھیرے دھیرے کھل گیا۔

مَیں نے سنبھلتے ہوئے ریتلی زمین پر قدم رکھا' تو طیارے کے باہر کا دروازہ بھی بند ہوگیا ---- طیارے کی ساری کھڑکیاں بند ہوچکی تھیں۔ وہ پیارے اور خوبصورت لوگ ہمیشہ کے لئے میری نظروں سے اوجھل ہوچکے تھے۔

طیارہ ہیلی کاپٹر کی طرح آہستہ آہستہ اٹھا اور کرۂ ہوائی میں سبک پرندے کی طرح پرواز کرنے لگا۔

مَیں اس وقت تک سر اٹھائے طیارے کو دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا۔

اب حدِ نظر تک پھیلا ہُوا سمندر تھا' ریتلا ساحل تھا اور خشک پہاڑیاں تھیں۔

مجھے اچانک احساس ہُوا کہ کرۂ یاقوت کے لباس میں ملبوس ہوں اور میرے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے۔

کرۂ یاقوت میں پیسے کا احساس ہی ختم ہوگیا تھا' مگر یہ تو کرۂ زمین ہے - پیٹ کی ضرورت نہ سہی گھر اور شہر تک پہنچنے کے لئے کرایے کی ضرورت تو ہوگی۔

میرے پاس ایک انمول چیز تھی مگر زمین والے کیا جانیں کہ مَیں اس سے آدھی دنیا خرید سکتا ہوں مگر وہ ایسی چیز تو نہ تھی کہ سودا بازی کرتا۔

اس کا مول احساس اور جذبہ تھا۔

صرف ایک نگلو مہراس کی قیمت تھی۔

مَیں جہاں اترا تھا وہاں کے جغرافیئے سے بالکل نابلد تھا۔ پھر بھی شمال کی طرف چل پڑا کہ یہ فلک نوا کا حکم تھا۔

ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد پکی سڑک مل گئی۔ یہاں سے میرا شہر پچاس میل دور تھا۔

دو بسیں گزر گئیں۔ مَیں نے ہاتھ اٹھایا کوئی نہ رکی۔

بیس منٹ بعد ایک کار آئی' مَیں نے لفٹ کے لئے ہاتھ اٹھایا خلافِ توقع کار رک گئی ---- کار میں ایک خاتون اور دو نوجوان بیٹھے تھے۔ دراصل وہ میرا عجیب و غریب لباس دیکھ کر رکے تھے اور اب حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"لفٹ چاہیئے۔" مَیں نے سٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے نوجوان سے ہاتھ ملایا۔

"مگر آپ کون ہیں' کس ملک کے سیاح ہیں اور آپ صحیح اردو بول رہے ہیں۔
------؟"

"مَیں اسی ملک کا باشندہ ہوں مگر پچپن برس بعد لوٹا ہوں۔"

وہ یکبارگی ہنس پڑے۔

"سترہ اٹھارہ برس تو عمر ہے آپ کی' اور پچپن برس بعد لوٹے ہیں' خوب!"

"مینٹل کیس معلوم ہوتا ہے۔" دوسرا بولا۔

"نہیں بھئی نہیں۔" مَیں نے فوری تردید کی۔ "مجھے غلط نہ سمجھو آج سے پچپن برس پہلے یہیں کہیں ساحل سمندر سے ہم چار آدمی اغوا کئے گئے تھے۔ میری عمر اس وقت تیس برس تھی۔ آپ کو شاید یقین نہ آئے اس وقت میری عمر پچاسی برس ہے۔"

"خوب!" وہ پھر زور سے ہنس پڑے۔ "خاصا دلچسپ پاگل ہے!!"

"اُسے لفٹ دے دو۔" لڑکی بولی۔ "اس کی باتیں سنیں گے۔"

مجھے پچھلی سیٹ پر جگہ دے دی گئی۔ کار چل پڑی تو لڑکی جو اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی' مڑ کر بولی۔ "کہاں سے آرہے ہو ----؟ تم نے یہ پچپن برس کہاں گزارے ----؟"

"کرۂ یاقوت میں' جہاں کے لوگ ہم سے دس ہزار برس آگے ہیں۔ وہ موت پر قادر ہو چکے ہیں اور آپ کو یقین نہیں آتا یہ میرا لباس دیکھ رہے ہیں۔ ایسا لباس آپ لوگوں نے روئے زمین پر کاہے کو دیکھا ہوگا ----!"

"دیکھا تو نہیں۔" لڑکی مرعوب ہو کر بولی۔ "مگر تمہاری باتیں عجیب و غریب ہیں۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو یقین نہیں آتا۔ زمین کی سائنس بہت آگے نکل چکی ہے۔ ابھی تک ہماری سائنس نے کسی سیارے میں زندگی کی موجودگی کو تسلیم نہیں کیا۔ چاند سے تو ہم ہو بھی آئے ہیں۔"

"یہ بہت معمولی واقعہ ہے خاتون! چاند تین دن میں سر ہو گیا' مگر کرۂ یاقوت تک پہنچنے میں ہمیں دو سال لگے جبکہ چاند پر جانے والے راکٹ سے ہمارے طیارے کی رفتار کئی گنا زیادہ تھی۔"

"تو تم واقعی پچاسی برس کے ہو ----؟" ڈرائیو کرنے والے نوجوان نے مڑ کر میری شکل کا جائزہ لیا۔

"ہاں کیوں نہیں' مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے بڑوں سے پوچھنا انہیں یاد ہوگا آج سے پچپن برس پہلے ایک اڑن طشتری نے چار آدمیوں کو اغوا کیا تھا۔ ساری دنیا میں تہلکہ مچ گیا تھا۔"

"تم اکیلے واپس آئے' باقی تین کہاں گئے؟" دوسرے نے پوچھا۔

"وہ اپنی مرضی سے رہ گئے' کرۂ یاقوت کی جنت سے واپسی کے لئے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے۔ میں نے اصرار کیا تو شاہِ یاقوت راضی ہو گئے۔"

"شاہِ یاقوت کون ----؟" لڑکی نے پوچھا۔

"وہاں کا بے تاج بادشاہ' انتہائی غیر معمولی انسان' شاید پوری کائنات میں اس جیسا کردار کوئی دوسرا نہ ہو۔"

"تم یہ ساری باتیں سچ کہہ رہے ہو؟" لڑکی نے بے یقینی کے لہجے میں پوچھا۔

"مَیں نے زندگی میں ہمیشہ سچ ہی بولا ہے۔ آپ کو حیران کر دینے میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ چند دن تک آپ دنیا کے سارے اخبارات میں میرے متعلق حیران کن خبریں پڑھیں گے۔"

اب ان لوگوں کا رویہ قدرے بدل گیا۔ انہوں نے مجھے بسکٹ اور پھل پیش کئے۔ ایک طویل عرصے کے بعد مَیں نے زمینی پھل کا ذائقہ چکھا۔

شہر پہنچ کر انہوں نے پیشکش کی کہ ان کا مہمان بنوں' مگر مجھے گھر پہنچنے کی جلدی تھی اور بہن سے ملنے کا تجسس' چنانچہ انہوں نے میری خواہش کے مطابق اپنے محلے میں اتار دیا۔

محلے میں کافی تبدیلیاں آچکی تھیں' لیکن کچھ کچھ جگہیں مانوس لگیں۔ لوگ مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

بالآخر وہ در مل گیا جس کی مجھے تلاش تھی۔

دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے پر دستک دی۔

تھوڑی دیر بعد ادھیڑ عمر کا ایک معزز سا آدمی باہر نکلا۔ لباس کی اجنبیت کی وجہ سے کچھ دیر حیرت سے میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے سے بولا۔ "آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے ----؟"

"جی ہاں' غالباً" آپ آسیہ کے شوہر ہیں ----؟"

"آسیہ کون ـــــ!" اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"آسیہ' بدرالدین صاحب کی بیٹی - یہ گھر بدرالدین صاحب کا ہے نا؟"

"اچھا اچھا ـــــ مگر یہ گھر تو بِک گیا تھا۔ آسیہ کے شوہر سے خریدا تھا مَیں نے ۔"

"لیکن بدرالدین صاحب کا ایک بیٹا بھی تھا۔ گھر کا اصل مالک تو وہی تھا۔"

"ہاں سنا تو تھا' مگر وہ تو کہیں مر کھپ گیا تھا۔ یہ افواہ بھی اڑی تھی کہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق اسے اغوا کر کے لے گئی تھی۔"

مَیں زیرِ لب مسکرایا ـــ

"شاید آپ کو یقین نہ آئے کہ بدرالدین صاحب کا اغواشدہ لڑکا مَیں ہوں۔"

"آپ ـــــ!" حیرت سے اس کا منہ کھلا رہ گیا' لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ تو پچاس ساٹھ برس ادھر کی بات ہے اور آپ بالکل نوجوان ہیں۔

"میرا المیہ یہ ہے کہ ایک سائنسی عمل کی وجہ سے ہمیشہ جوان رہوں گا اور یہ ثابت کرنے کے لئے ہر بار ایک لمبی کہانی سنانا پڑتی ہے۔

" یہ سچا واقعہ ہے مگر ایسا پیچیدہ' سائنسی واقعہ' کہ زمین کے لوگوں کو جلدی سے یقین نہیں آتا۔"

"اوہ!" وہ آدمی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "آپ اندر آجایئے۔"

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی مَیں نے چاروں طرف دیکھا۔

ہاں' یہ وہی کمرہ ہے جہاں دوستو کے ساتھ بیٹھ کر خوش گپیاں ہوتی تھیں۔ شعر و ادب پر گفتگو ہوتی تھی۔ صرف فرنیچر بدل گیا ہے اور اس کارنر ٹیبل پر میری تصویر کی جگہ آپ کی تصویر رکھی ہوئی ہے۔"

"تشریف رکھیے مَیں چائے لاتا ہوں۔"

"اگر حرج نہ ہو پہلے مَیں سارا گھر دیکھ لوں۔ بچپن' لڑکپن اور جوانی کی بہت سی یادیں بکھری پڑی ہیں' مجھے تسکین ملے گی۔"

"ضرور آیئے۔"

یہ مختصر سا گھر تھا ایک سونے کا کمرہ' چھوٹا سا سٹور' کچن اور باتھ روم۔ آسیہ کی جگہ ایک ادھیڑ متین عورت بیٹھی تھی۔

"یہ میری بیگم ہیں۔" میزبان بولا۔ "اور آپ اس گھر کے پرانے مالک۔" عورت نے مجھے سلام کیا۔

میزبان بولا ـــــ "ہم میاں بیوی دونوں پروفیسر ہیں' اولاد سے محروم ہیں اس لئے یہ مختصر سا گھر بھی ہمارے لئے کافی ہے۔"

"یہاں آکر مجھے بے حد سکون ملا ہے۔ آپ دونوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی' لیکن مجھے اپنی بہن آسیہ اور اس کے بچوں سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ کیا اس سلسلے میں آپ میری رہنمائی کر سکتے ہیں ـــــ؟"

"کیوں نہیں' وہ نئی آبادی میں رہتے ہیں' غالباً بابر بلاک میں' ان کے شوہر فصیح الحسن مشہور ایڈووکیٹ ہیں۔ سارا شہر انہیں جانتا ہے۔"

"پھر تو مَیں آسانی سے پہنچ جاؤں گا اجازت چاہتا ہوں۔"

"مگر چائے تو پی کر جایئے!"

"کھانا پینا میرے نزدیک ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر بھی سہی۔"

مجھے پیدل گھومنے میں بہت لطف آرہا تھا۔ لوگ مجھے توجہ سے دیکھتے تھے۔ بچے حیران ہوتے تھے۔ بعض لوگوں کے لبوں پر خندۂ استہزا بکھر جاتا تھا۔

نئی آبادی پہنچا تو دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ بارہ سال کی دبلی پتلی آسیہ اب کس روپ میں سامنے آتی ہے ـــــ'

ایک وسیع و عریض کوٹھی پر فصیح الحسن ایڈووکیٹ کا بورڈ پڑھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ آسیہ کھاتے پیتے گھرانے میں خوشحال زندگی گزار رہی ہے۔

کال بیل پر انگلی رکھی تو دل یکبارگی اچھل پڑا۔

کچھ دیر بعد ایک نوجوان لڑکی باہر آگئی۔ مَیں محبت اور مسرت سے اس معصوم اور خوبصورت لڑکی کو دیکھ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں تحیر تھا۔ مَیں نے اپنے خون کو پہچان لیا تھا۔ لڑکی کی آنکھیں بالکل آسیہ کی آنکھیں تھیں۔

میرے شوقِ دید سے گھبرا کر وہ جلدی سے بولی۔ "ابو گھر پر نہیں ہیں۔"

"نہیں ہیں تو آجائیں گے۔ مجھے آسیہ سے ملنا ہے —"

"ابو کی اجازت کے بغیر امی کسی سے نہیں ملتیں ——"

مَیں ہنس پڑا' وہ اور گھبرا گئی۔ "آپ کون ہیں' کیوں ملنا چاہتے ہیں' آپ میری امی کا نام کیسے جانتے ہیں' کیا کام ہے آپ کو؟"

مَیں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اتنے ڈھیر سارے سوال' کس کس کا جواب دوں۔ بہتر ہے تم امی کو بلالو' شاید وہ مجھے پہچان جائیں۔"

لڑکی چند لمحے سوچتی رہی اور پھر متذبذب سی اندر چلی گئی —— یہ خاصے دلچسپ لمحے تھے' لذت و مسرت کے امتزاج کے لمحے' اس امتزاج میں دھیمی دھیمی حرارت تھی۔

دروازہ کھلا نوجوان لڑکی دوبارہ آگئی۔ اب اس کے ساتھ گیارہ برس کا ایک لڑکا بھی تھا۔ اس لڑکے کی آنکھیں بھی آسیہ کی طرح سیاہ اور بڑی بڑی تھیں۔

"دیکھئے!" لڑکی آگے آتے ہوئے بولی۔ "امی پوچھتی ہیں آپ کون ہیں' کیا نام ہے اور کیا کام ہے ——؟"

"یہ تم نے پھر وہی سوال دہرائے' دیکھو پیاری بچی! تم میری باتیں نہیں سمجھو گی۔ مجھے تمہاری امی سے بات کرنا ہے۔"

"کمال ہے۔" وہ جھنجلا کر بولی "میں بی۔اے آخری سال کی طالبہ ہوں۔ آپ کی بات کیسے نہ سمجھوں گی۔"

"ماشاء اللہ ——! آپ بہت ہوشیار لگتی ہیں۔" مَیں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر جو کچھ کہنا ہے آپ کی ماں سے کہنا ہے ورنہ سارا تجسس ختم ہو جائے گا۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" وہ غصے میں آگئی۔ "آپ ضد کریں گے تو میں ابو کو فون کردوں گی۔ وہ ایک منٹ میں آپ کو گرفتار کرلیں گے۔"

مَیں ہنس پڑا۔

"جب تک تمہاری امی سے نہیں ملوں گا' مَیں ٹلنے والا نہیں - جتنا تمہارا حق ہے امی پر' اس سے زیادہ حق میرا ہے۔"

"مگر کون ہو تم ——؟" اچانک آسیہ باہر آگئی۔ "کیوں بچوں کو دق کرتے ہو' کیا حق ہے تمہارا مجھ پر ——؟"

ایک گمبھیر مسکان میرے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ میری ننھی منی آسیہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ اس نے ساڑھی باندھ رکھی تھی' عینک لگا رکھی تھی اور وہ ایک معزز خاتون نظر آرہی تھی۔

"گھور گھور کر دیکھ رہے ہو بولتے کیوں نہیں اجنبی ——؟" آسیہ سختی سے بولی۔

میری مسکان گہری ہوگئی۔

"کیا بولوں' تم نے مجھے پہچانا نہیں ——؟"

"پہچاننے کی بھی ایک ہی رہی۔ اوپر سے تم تم کی رٹ لگا رکھی ہے' میں یہ

انداز گفتگو سننے کی عادی نہیں۔"

"مَیں تو تمہیں تم ہی کہوں گا کیونکہ مَیں تم سے بڑا ہوں' پورے اٹھارہ برس ____!"

"تم مجھ سے بڑے ہو۔" وہ حیرت سے بولی۔ "یہ تو کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے۔"

"تو کیا روایت غلط ہے کہ خون بولتا ہے ____ آسیہ تم اپنے بھائی کو نہیں پہچانتیں ____؟"

"بھائی! کیسا بھائی؟" وہ اور زیادہ حیرت زدہ ہوگئی۔ "میرا بھائی مرچکا ہے!!"

"تمہارا بھائی زندہ ہے' تمہارے سامنے کھڑا ہے۔"

"کیا کہتے ہو اجنبی! میرا بھائی کئی سال بڑا تھا مجھ سے اور تم اٹھارہ برس کے چھوکرے' تم سے بڑا تو میرا لڑکا ہے۔"

"میری شکل کی تازگی پر نہ جاؤ اپنے لہو سے پوچھو' مجھے محسوس کرو میں تمہارا بھائی چنگیز ہوں۔"

"چنگیز ____! یہ بھی ایک ہی کہی' کیسے مان جاؤں ____؟"

مگر اس سے پہلے کہ آسیہ کچھ کہتی' لڑکی بولی۔ "امی! ماموں کی تصویر اس شخص سے بہت ملتی جلتی ہے۔"

"بیٹی! بھائی جان زندہ ہوتا تو اسی پچاسی برس سے کم کیا ہوتا' مَیں کیسے مان لوں' کوئی بھی ذی ہوش آدمی نہیں مانے گا۔"

"خدا بھی آدمی کا روپ دھار کر کسی کے دروازے پر کھڑا ہوجائے تو بدنصیب لوگ اسے بھی آدمی سمجھ کر نظرانداز کردیں گے۔ دو دن بعد تم میری تلاش میں ہوگی آسیہ! جب تمہیں معلوم ہوگا کہ ساتویں سیارے سے واپس آنے والا نوجوان تمہارا بھائی چنگیز تھا۔"

انہیں حیران چھوڑ کر مَیں واپس مڑا اور بابر بلاک سے نکل گیا۔ اس تجربے کے بعد کسی اور سے ملنا بے کار تھا۔

میں سیدھا ایک نیوز ایجنسی کے دفتر پہنچا ____

وہ لوگ میری باتیں سن کر حیران ہوئے' لیکن جب تفصیل بتائی اور پچپن سال پہلے اڑن طشتری کے بارے میں چھپنے والی خبریں نکالنے پر زور دیا تو وہ تعاون پر آمادہ ہوگئے۔

ایک دو گھنٹے کی تحقیق کے بعد' مَیں ان کے لئے بعید اہم نیوز کی حیثیت اختیار کرچکا تھا ____ وہ اخبار مل گئے تھے جن میں سنسنی خیز سرخیوں کے ساتھ ہم چاروں کی تصاویر چھپی تھیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے چند گھنٹوں کے اندر مَیں کرۂ ارض کا سب سے اہم اور نمایاں کردار بن چکا تھا کیونکہ دنیا کے سارے ریڈیو سٹیشن اور ٹیلی ویژن سینٹر سے آدھ آدھ گھنٹے کے بعد میری کہانی ٹیلی کاسٹ ہورہی تھی۔

اخباری اور نشریاتی اداروں کے رپورٹروں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ چاروں طرف کیمرے تھے' فلش لائٹیں تھیں کہ جل رہی تھیں بجھ رہی تھیں۔

خبر رساں ایجنسی کے دفتر کے باہر ہزاروں آدمیوں کا مجمع لگ گیا۔ لوگ مجھے دیکھنے کے لئے بے تاب تھے اور نعرے لگا رہے تھے۔

شہر کے سب سے عالیشان ہوٹل میں پورا سوٹ میرے لئے ریزرو ہوگیا۔

ہوٹل کے منتظمین نے میرے لئے فری رہائش کا اعلان کردیا۔

ہوٹل کے بوائے سے لے کر مینجر تک بچھے جارہے تھے۔ جو سوٹ میرے لئے ریزرو ہوا تھا بہت غیر معمولی تھا۔ کسی ملک کا وزیر اعظم یا صدر مملکت ہی ایسے

سوٹ کا خواب دیکھ سکتا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ یہ سب کچھ ہوگا' لیکن اب محسوس ہو رہا تھا کہ کرۂ یاقوت کی طرح زمین پر بھی، میرا استقبال مبالغے کی حد سے کچھ آگے نکل گیا ہے۔

آٹھ بجے پیغام موصول ہُوا کہ کچھ ایسے لوگ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں جن سے کسی نہ کسی بنیاد پر نسبتی تعلق رہا ہے۔

ان میں شاعر اور ادیب تھے۔ زریں اور ثمریں کا چھوٹا بھائی تھا' ضیاء اور رضا کے رشتہ دار تھے اور آسیہ کا کنبہ تھا۔

مَیں نے ایک ایک گھنٹے کی تاخیر سے سب کو باری باری بلانے کا فیصلہ کیا۔ آسیہ کو تو خیر میں ایک نظر دیکھ ہی چکا تھا؟ البتہ ثمریں سے ملنے کا شدید اشتیاق تھا۔ اس کا بھائی باہر بیٹھا تھا اور مَیں اس کے بارے میں جاننے کے لئے بیقرار تھا۔

سب سے پہلے مَیں نے آسیہ کو بلایا۔

آسیہ شوہر اور بچوں سمیت آئی تھی۔ وہ محجوب اور نادم سی ہو رہی تھی۔ مَیں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا وہ زارو قطار رو پڑی۔ فصیح الحسن مسکرا رہا تھا۔ بچوں کی حالت دیدنی تھی' آسیہ کا بڑا لڑکا بھی وکیل تھا۔ وہ ماموں جان کہہ کر گلے ملا۔

وہ لڑکی جو مجھے پولیس کے ہاتھوں گرفتار کرانا چاہتی تھی' سر جھکائے کھڑی تھی۔ مَیں نے اسے بغل میں لیا اور ہنس پڑا' اگلے لمحے وہ بھی رو پڑی۔ آسیہ کا چھوٹا بیٹا بہت خوش تھا اور چہک رہا تھا۔

فصیح الحسن نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان! معذرت خواہ ہوں کہ بچوں نے آپ کو نہیں پہچانا اور اچھا سلوک نہیں کیا۔"

"ایسا ہونا ہی تھا۔" مَیں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کون کہہ سکتا ہے کہ مَیں آسیہ

کا بڑا بھائی ہوں۔ مَیں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم لوگ بہت جلد میری تلاش میں نکلوگے۔"

"آپ نہیں جانتے بھائی جان! مَیں کتنی روئی ہوں۔" آسیہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "ٹی۔ وی پر آپ کا انٹرویو آیا تو گھر میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ یہ لڑکی تو رو رو کر ہلکان ہوگئی۔ کہہ رہی تھی' مَیں نے ماموں جان سے کیسی تلخ باتیں کیں۔ دنیا میں ایک ہی تو ماموں ہے میرا' اور مَیں نے اسے بھی ناراض کردیا۔"

"افسوس ہے۔" مَیں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "کروڑوں اربوں میل دور سے آیا ہوں' اس کے لئے کوئی تحفہ بھی نہیں لاسکا۔"

"آپ کی آمد کچھ کم تحفہ ہے۔" فصیح الحسن بولا۔ "آپ نے تو پوری دنیا میں سنسنی پھیلا دی ہے۔ میرے بچے فخر سے کہتے ہیں' وہ ہمارا ماموں ہے۔ آسیہ تو خیر آپ کی بہن ہے جو بھی کہے کم ہے' خود میری یہ کیفیت ہے کہ آسمانوں پر اُڑتا ہُوا محسوس کر رہا ہوں۔"

"اور ماموں جان!" میرا بڑا بھانجا بولا۔ "ہم آپ کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔ آپ ہمارے ساتھ گھر پر رہیں گے۔"

"میرا خیال ہے میرا یہاں رہنا مناسب ہے۔ آپ دیکھیں گے دو چار دن میں دنیا بھر کے رپورٹر یہاں پہنچ جائیں گے' سائنسدان آئیں گے' میرا جسمانی تجزیہ کریں گے' کئی طرح کے تجربات کریں گے' مجھے ان سے تعاون کرنا ہے شاید کرۂ ارض کو اس سے فائدہ پہنچے اور انسانیت کی فلاح ہو' اس لئے بہتر ہے کہ مَیں ان سہولتوں اور مراعات سے فائدہ اٹھاؤں' گھر پر رہ کر مَیں محدود ہوجاؤں گا۔"

"ہم آپ کی بات کو رد نہیں کرسکتے۔" فصیح الحسن نے تائید کی۔ "بہت ممکن ہے یہ لوگ آپ کو یورپ اور امریکہ لے جائیں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔"

"یہ تو ہوگا ہی' میں دنیا کا دورہ کروں گا اور اہلِ ارض کو بتاؤں گا کہ میں کیسا سماج دیکھ کر آرہا ہوں۔"

دیر تک ہنسی خوشی کی باتیں ہوتی رہیں۔ گھنٹہ گزر گیا تو وہ چلے گئے اور ثمریں کا بھائی آگیا۔ ثمریں کا بھائی جو زریں سے بھی چھوٹا تھا ساٹھ پینسٹھ سے کم کیا ہوگا۔ میں نے اسے بچپن میں دیکھا تھا اور اب یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی شوخ اور چلبلا لڑکا ہے جس سے دونوں بہنیں ٹوٹ کر پیار کرتی تھیں۔

اس نے زریں کے متعلق پوچھا' میں نے ثمریں کے متعلق پوچھا۔ وہ زریں کی کہانی سن کر حیران ہُوا اور میں ثمریں کی کہانی سن کر پریشان ہُوا۔

ثمریں فرانس میں تھی۔ وہ ہمارے ملک کے سفیر کی بیوی تھی اور وہ آٹھ بچوں کی ماں بن چکی تھی۔

میری محبت' جس نے مجھے کرۂ یاقوت میں بھی بے قرار رکھا اور ایک حد تک کرۂ ارض پر واپسی کی بنیاد بھی وہی تھی' دنیاداری اور فرض کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور اب میں سوچ رہا تھا کہ اس سے توقع رکھنے میں حق بجانب بھی ہوں یا نہیں ۔۔۔۔؟ زمینی اقدار کا تقاضہ کہ اس سے کوئی واسطہ نہ رکھوں' لیکن میں تو زمینی اقدار کے خلاف امن و آشتی کا علم لے کر واپس آیا ہوں ۔۔۔۔ میرے پاس محبت کا پیغام ہے فطرت کشی کا رویہ اختیار کرتا تو کرۂ یاقوت سے کیوں واپس آتا۔ سفیر صاحب زیادہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں گے تو دو چار سال اور جی لیں گے مگر انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ بیوی کو بھی اپنے ساتھ لحد میں اتاریں؟ یہ سمجھنے کی باتیں تھیں اور ثمریں کو سمجھانے کی' اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ اتنی سیدھی بات اس کے ذہن میں نہ اترے ۔۔۔۔

رضا اور ضیاء کے لواحقین سے بھی باتیں ہوئیں۔ وہ بے یقینی سے میری باتیں سنتے رہے۔ بعض لوگ تو اب بھی میری باتوں کو من گھڑت کہانی سمجھتے تھے۔

میرے ہمعصر شعراء میں سے اکثر مر کھپ گئے تھے جو باقی بچے تھے وہ لبِ گور کھڑے تھے اور پہچاننے میں مشکل پیش آرہی تھی کیونکہ وہ سارے بوڑھے اور ضعیف ہوچکے تھے اور اپنی اپنی عینک کے دبیز شیشوں میں سے بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔

سب نے باری باری اپنا نام لیا تو دھندلی یادوں میں سے ایک ایک کا چہرہ ابھرنے لگا۔ ان کے کہے ہوئے اچھے شعر اب بھی میرے حافظے میں محفوظ تھے۔ جب باری باری ان کے شعر انہیں سنائے تو ان کی باچھیں کھل گئیں اور انہیں کچھ یقین ہوچلا کہ میں واقعی چنگیز ہوں۔

ان لوگوں کو دیکھ کر مجھے احساس ہُوا کہ اگر میں کرۂ یاقوت پر نہ جاتا تو میری حالت بھی انہیں کی طرح ہوتی ۔۔۔۔۔ بڑھاپا زندگی کا کتنا قابلِ رحم دور ہوتا ہے۔ موت سے خوف آتا ہے۔ ادھر زندگی وفا نہیں کرتی اور پھر یہ کہ لواحقین کی دستگیری میں بتدریج کمی کا رجحان بڑھتا ہے اور بڑھاپا اسے شدت سے محسوس کرتا ہے اور اندر ہی اندر کڑھنا اس کا مقدر بن جاتا ہے تاآنکہ ایک دن اس کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں اور اس کا جسد خاکی خاک میں پیوست ہوجاتا ہے۔ اور اس کے دکھ ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ پریکٹس روئے زمین پر روز و شب جاری ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ پڑھتا ہے' جوان ہوجاتا ہے' زندگی کے بازار میں نکلتا ہے' ناکام ہوتا ہے' کامیاب ہوتا ہے اور پھر ایک دن اچانک اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ ساری تگ ودو بیکار تھی کیونکہ معدہ بیکار ہوجاتا ہے' آنکھوں میں جال بننے شروع ہوجاتے ہیں اور ہڈیوں میں رس باقی نہیں رہتا۔

اور یہ احساس کہ وہ بوڑھا ہوچکا ہے ۔۔۔۔!

چنانچہ وہ سوچتا ہے کہ آنے والا کل اس کا نہیں ہے اور گزرا ہُوا کل ہاتھ سے نکل چکا ہے اور جو کچھ اس کا ہے دیواریں' چھتیں' تجوری اور اولاد یہیں رہ

جائے گی اور اس کے سارے دعوے نیست ونابود ہوجائیں گے۔

یوں وہ روتا ہے کہ زندگی جو بہت خوبصورت تھی روشنی' دھوپ' ہوائیں' پانی' سبزہ زار' پھول اور برف پوش چوٹیاں' سب سے رابطہ ٹوٹ جائے گا۔۔۔۔ سب کچھ نظروں سے اوجھل ہوجائے گا۔ خود وہ ختم ہوجائے گا تو سب کچھ ختم ہوجائے گا۔

رات کے گیارہ بجے تک سب لوگ چلے گئے۔ میں تنہا رہ گیا تو زندگی کی بے ثباتی کے کئی پہلو سامنے آئے۔۔۔۔

مگر میرا معاملہ الٹ تھا۔ میں امر ہوچکا تھا۔ فکر رزق باقی نہ رہا تھا تو ہوس بھی باقی نہ رہی تھی۔

لیکن مستقبل میں اس المیے کا کیا علاج کہ بیمار لوگوں کو تڑپتا دیکھتا رہوں۔ جنازے اٹھتے رہیں' جنگیں ہوتی رہیں' نفرتیں پھیلتی رہیں' صدیاں گزرتی جائیں اور میں پیامِ اجل سے بے گانہ تاریخ کا واحد گواہ بن کر ہر نئی نسل' پچھلی نسل' اس سے پچھلی نسل اور اس سے بھی پچھلی نسل کی کہانی سناتا رہوں' مگر کرۂ زمین کے دکھ ختم نہ ہوں' کیونکہ جب میں نہ تھا تو خود تاریخ یہ کام سرانجام دیتی رہی۔ مگر انسانی شعور سبق نہ پاسکا۔

کچھ پاسکا تو نفرتیں اور کدورتیں!

نفرتوں اور کدورتوں کی کھیتی سے جو فصل اٹھائی گئی اس نے بنی نوع انسان کو مزید انتشار میں مبتلا کردیا۔

یہ تنہائی کا کرب تھا جس نے ہماری روحوں کو جکڑ رکھا تھا۔ کیا انسان کی روح اس کرب سے نجات پاسکے گی؟

میں اس لمحے یہی بات سوچ رہا تھا۔

صبح ہوئی اخبارات آئے۔ ملک کے بارہ کے بارہ اخباروں میں سنسنی خیز شہ سرخیوں کے ساتھ میری ہی خبریں چھپی تھیں۔

ایک اخبار نے لکھا تھا۔۔۔۔

"کائنات میں ہم سے دس ہزار سال زیادہ ترقی یافتہ تہذیب کی دریافت۔۔۔۔!"

دوسرے اخبار کی سرخی تھی۔۔۔۔

"چاند کے بعد انسان کے قدم کرۂ یاقوت پر۔۔۔۔!!"

تیسرے نے سرخی جمائی تھی۔۔۔۔

"ناقابلِ یقین حقیقت کا انکشاف۔۔۔۔!!!"

چوتھے اخبار نے لکھا تھا۔۔۔۔

"کرۂ یاقوت کے انسان نے موت پر قابو پالیا ہے۔"

پانچویں کی سرخی یوں تھی۔۔۔۔

"شاعر امر ہوگیا۔ پچاسی برس کی عمر میں بھی اٹھارہ برس کا نوجوان۔"

چھٹا یوں رقم طراز تھا۔۔۔۔

"جنت نشاں سیارے کی دریافت۔۔۔۔!!"

تقریباً" سارے اخبارات نے میری موجودہ اور سابقہ دونوں تصاویر چھاپی تھیں ---- رضا' ضیا اور زریں کی تصویریں بھی سب اخباروں نے چھاپی تھیں۔
ٹی وی، ریڈیو کے لئے جو انٹرویو لئے گئے تھے۔ پوری تفصیل سے شائع ہوئے تھے۔
ایک اخبار نے میری غزلوں اور نظموں کے منتخب سینکڑوں اشعار چھاپ دیئے تھے۔

کرۂ یاقوت کی زندگی کی جھلکیاں زیبِ داستاں کے انداز میں رقم ہوئی تھیں۔
میری تقدیر پر رشک ہورہا تھا اور زمین سے میری محبت کے قصے بڑے رومانوی انداز میں پیش کئے گئے تھے۔ میری ہمت اور جرأت اور حوصلے اور ظرف کی بے پناہ تعریف کی گئی تھی۔
یعنی زمین کی لگن میں ایک مثالی جنت چھوڑ آیا ہوں۔
ابھی اخبار دیکھ ہی رہا تھا کہ آسیہ کا فون آگیا۔ وہ ناشتہ بھیجنے کے لئے کہہ رہی تھی' مَیں نے منع کردیا کہ کھانا پینا میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے' کبھی کبھار ذائقے کے لئے کچھ کھالیتا ہوں حالانکہ اس کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔
ہوٹل کے سروس روم کو بھی میرے ناشتے کی بہت فکر تھی۔ مَیں نے انہیں بھی مطمئن کردیا۔۔ مطمئن ہونے کے باوجود وہ بہت حیران تھے کہ یہ کیسا انسان ہے جسے نہ بیڈ ٹی کی ضرورت ہے' ناشتے اور نہ کھانے پینے کی پروا۔۔۔!
شام تک دنیا کے گوشے گوشے سے اخبارات' ریڈیو اور ٹیلی ویژن' کے نمائندے پہنچ گئے۔

رات کے نو بجے پریس کانفرنس کو خطاب کرنے کے لئے مَیں ہوٹل کے ہال میں پہنچا تو ہال جگمگ جگمگ کررہا تھا۔ زبردست تالیوں سے میرا استقبال ہوا۔ مختلف زاویوں سے کیمرے آن ہوگئے اور مَیں سرتاپا روشنیوں کے سیلِ رواں میں

ڈوب گیا۔
آسیہ اور اس کی فیملی بھی پریس کانفرنس میں موجود تھی۔
مَیں کئی گھنٹے مسلسل بولتا رہا' کرۂ یاقوت' شاہِ یاقوت' ندا اور فلک نُوا کی باتیں' سارا ہال دم بخود تھا۔ ندا کا گیت سن کر مَیں پچاس برس سویا رہا' یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔
صبح تک مَیں ان کے سوالوں کے جواب دیتا رہا---
اور جب مَیں نے ان سے کہا۔"اگر آپ پریس کانفرنس ہفتہ' دس دن' مہینہ' چھ مہینے جاری رکھیں گے' تو مَیں اسی طرح کھڑا بولتا رہوں گا' سوالوں کے جواب دیتا رہوں گا۔ آپ تھک جائیں گے' سو جائیں گے' بھوک لگے گی' پیاس لگے گی۔ رفع حاجت کی ضرورت پڑے گی' لیکن میری شکتی ختم نہ ہوگی' میری ساری ضرورتیں سمٹ چکی ہیں' مَیں ایک نکتۂ عروج ہوں جسے زوال نہیں ------!"
ایک فرانسیسی نامہ نگار نے پوچھا۔" آپ اس صورتِ حال سے خوش ہیں۔"
"اس سوال کا جواب تو خود زمین والوں کو دینا ہوگا۔ تقابل کیجئے اور سوچئے جو کچھ میرے پاس ہے آپ کے پاس اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے -------؟"
ایک جرمن خاتون جو آگے سے تیسری قطار میں بیٹھی تھی کھڑی ہوگئی۔
"آپ زمین والوں کے لئے کیا لائے ہیں ----؟"
"اپنا آپ' تاکہ آپ کو بتاسکوں کہ اڑن طشتریاں خالی باتیں نہیں ہیں۔ چاند پر' مشتری پر' اور مریخ پر آبادی نہیں ہے مگر کہیں ہے' کائنات میں نظامِ شمسی ایک نہیں اور بھی ہیں اور یہ کہ انہوں نے سورج کو مطیع کرلیا ہے اور یہ کہ زمین والے جس کا تصور بھی نہیں کرسکتے' میں ایسی کروڑہا محبوبائیں چھوڑ کر آرہا ہوں' میں ایسی جنت نظیر خطۂ کائنات سے آرہا ہوں جہاں سے واپسی کاکوئی سوچ نہیں

سکتا۔ مَیں امن و محبت کے ایسے گہوارے سے لوٹا ہوں جہاں ندا جیسی راگنی' فلک نُوا جیسی معطر ڈالی اور شاہِ یاقوت جیسی بے مثل ہستی رہتی ہے۔ مَیں اس لئے بھی آیا ہوں کہ زمین والے شاہِ یاقوت کا پیغام سن سکیں۔"

پورا ہال مجسم گوش بن گیا۔

مَیں نے بات جاری رکھی۔

"شاہِ یاقوت نے فرمایا' کرۂ یاقوت میں چند ایسے آدمیوں نے جنم لیا جو بہت غیر معمولی تھے۔ افراد کی مختلف خصوصیتیں جب ایک مرکز پر مجتمع ہوگئیں تو وہ پہاڑ کی طرح ٹھوس اور اٹل ہوگئیں ---- قطرہ قطرہ حسن اور جرعہ جرعہ سچائیاں یک جا ہوئیں تو زندگی نے سمندر کی طرح دامن پھیلا دیا' یہ وحدتِ فکر کا نتیجہ تھا کہ آفتاب سمٹ کر کرۂ یاقوت کی آغوش میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔"

ہال میں سناٹا طاری تھا گویا وہ میری باتیں سننا چاہتے تھے۔

"دوستو! یہ سب باتیں اپنی جگہ' لیکن میری واپسی کی بنیادی وجہ ایک لڑکی تھی--- مجھے میری محبت واپس لائی ہے۔ یہ بالکل ذاتی مسئلہ ہے اور جو باتیں میں اس سے پہلے کہہ چکا ہوں' ان سے بہت کمتر مسئلہ ہے لیکن کیا کروں' مَیں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مَیں نے ایک لڑکی کی خاطر جنت کو چھوڑا ----!"

"لیکن وہ لڑکی تو مرکھپ گئی ہوگی۔" جرمن خاتون بولی۔ "زندہ بھی ہوگی تو اسی برس سے کم کیا ہوگی ----؟"

"آپ کیا سمجھتی ہیں میں نے یہ باتیں نہیں سوچی ہوں گی' سوچی تھیں خاتون! بار بار سوچی تھیں' مگر مجھے تو رسک لینا ہی تھا ---- وہ محبت ہی کیا کہ زندگی داؤ پر نہ لگتی۔"

"تو گویا وہ زندہ ہے' مگر کیا اس بڑھیا کھوسٹ کو ایک نظر دیکھ بھی سکیں گے آپ ----؟"

"مَیں اسے جوان دیکھوں گا اپنی طرح جوان' سدا کی جوان' مَیں ---- اُس کے لئے قطرۂ حیات لایا ہوں۔"

پورے ہال کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"ہاں دوستو!" مَیں نے ٹیبل سے ڈبہ اٹھا کر دکھایا۔ "اس میں امر جیون بند ہے۔ اگر اسے مَیں بحرالکاہل میں پھینک دوں تو سمندر کا کھارا پانی پلک جھپکتے میں میٹھا ہوجائے ---- لیکن یہ جیون جیوتی میری محبوبہ کے لئے ہے۔ اب آپ جان گئے ہوں گے کہ کرۂ یاقوت سے میں تین چیزیں لایا ہوں۔ پہلی چیز تو بتا چکا ہوں یعنی اپنے آپ کو۔ آپ دیکھ رہے ہیں مَیں کیا ہوں۔ پچاسی برس کا آدمی' آپ سب سے تروتازہ اور کم عمر لگ رہا ہوں۔ دوسری چیز میرا لباس ہے۔ ایسا لباس بھی روئے زمین پر دوسرا نہیں ہوگا۔ زمین ابھی ایسا کپڑا تیار کرنے کی اہل نہیں جس میں سورج کی تمازت اور برفانی ہواؤں کی خنکی بیک وقت عمل پیرا ہوں ---- تیسری چیز یہ ڈبہ ہے' اس کی ساخت دیکھیں ایر کنڈیشنڈ کی ساری خصوصیات ہیں اس میں' اور اس کے اندر ایک چھوٹی سی شیشی محفوظ ہے ---- شیشی میں صرف ایک قطرہ ہے۔ اس قطرے کی تخلیق میں شاہِ یاقوت کو سینکڑوں سال لگے۔ یہ قطرہ کرۂ یاقوت کی سب سے انمول شے ہے۔ اس کے بطون میں شمسی کرنوں کی روح ہے۔ اس روح میں لافانی توانائی ہے۔ یہ جس کے حلق سے اترا' امر ہوگیا ----!"

"اور آپ اس انمول شے کو ایک بڑھیا کھوسٹ پر ضائع کرنا چاہتے ہیں ----؟" جرمن خاتون بولی۔

"کسی پہاڑ پر گراؤں گا تو ہیرے کا بن جائے گا' مگر اس سے انسانیت کو کیا

فائدہ' کرۂ یاقوت میں بھی اس کا مصرف یہی تھا کہ صرف انسان کے حلق سے
اترے' اسے آپ پی لیں یا میری بہن یا میری محبوبہ' تقریباً" ایک ہی بات ہے
لیکن میرا خیال ہے اس پر سب سے افضل ترین حق اس لڑکی کا ہے جس نے
زندگی میں مجھ سے محبت کا پہلا مکالمہ کیا۔۔۔۔"

"آپ بار بار اسے لڑکی کہہ رہے ہیں۔ اس کا کیا جواز ہے؟" ایک سویڈش
نامہ نگار نے پوچھا۔

"مَیں اسے جس شکل و صورت میں چھوڑ گیا تھا میرے ذہن میں اس کی وہی
شبیہ ہے۔ مَیں اسے بدلی ہوئی شکل میں دیکھنا پسند نہیں کروں گا' مَیں اس سے قطع
تعلق کے احتمال کا کوئی موقع پیدا نہیں کروں گا۔ مَیں نے اسے لڑکی کے روپ میں
چھوڑا تھا مَیں اسے سے لڑکی کے روپ میں ملنا پسند کروں گا۔"

"آپ کو علم ہے وہ کہاں ہے؟" انگریز نامہ نگار نے پوچھا۔ "اور آپ کو
یقین ہے وہ آپ کی بات مان جائے گی۔۔۔۔؟"

"ہاں مجھے علم ہے وہ رودبار انگلستان کے اس پار رہتی ہے اور مجھے یقین ہے
وہ میرا کہا مان جائے گی' آپ کہہ سکتے ہیں مَیں نے اس کے لئے جنت چھوڑی ہے'
وہ میرے لئے چند بچے اور ایک عدد شوہر کیوں نہ چھوڑے گی۔۔۔۔!"

"وہ آسمان کی باتیں تھیں یہ زمین کی باتیں ہیں۔" اس نے دوبارہ سوال کیا۔

"سوال زمینی یا آسمانی باتوں کا نہیں ہے' سوال اس جاودانی قطرے کا ہے
۔۔۔۔ ایک طرف بادشاہت ہو دوسری طرف عمرِ جاوداں' بادشاہ کو دونوں میں سے
ایک چیز پسند کرنا ہو' آپ کیا سمجھتے ہیں اس کا کیا فیصلہ ہوگا۔۔۔۔ یقیناً" بادشاہت
کے بدلے عمرِ جاوداں حاصل کرے گا۔"

"شاید آپ کا خیال غلط ہو۔" اس نے جواب دیا۔ "کیونکہ وہ سوچ سکتا ہے

کہ اس کے بعد بیٹا' پھر پوتا' پھر پڑ پوتا بادشاہت کرے گا۔۔۔۔ کیا نسل در نسل
حیات'عمرِ جاوداں کی دوسری شکل نہیں۔۔۔۔؟"

"زمین کی یہی سوچ تو فساد کی جڑ ہے۔" مَیں نے سٹپٹا کر کہا۔ "کہ باپ بیٹے
کے لئے اور بیٹا اپنے بیٹے کے لئے چھت کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ یہ نسلی
سلسلہ نہ ہوتا تو طمع کا وجود بھی نہ ہوتا۔ ایسے حالات میں وحدتِ فکر کی خواہش کیا
معنی رکھتی ہے۔۔۔۔!"

میری اس بات سے بہت سے لوگ چونکے اور ہال میں معنی خیز سرگوشیاں
شروع ہوگئیں۔

مَیں نے بات جاری رکھی۔

"دوستو۔۔۔۔! اولاد تو روٹین ورک ہے۔ آپ ایک عورت سے محبت
کرتے ہیں' اس سے ملتے ہیں' شادی کرتے ہیں' ردِ عمل تو ہوگا' بچہ بھی آئے گا'
لیکن اگر یہ بچہ آپ کے اجتماعی شعور کو متزلزل کرتا ہے' آپ کی وحدتِ فکر کو
منتشر کرتا ہے تو ظاہر ہے بیمار کی تشخیص ہوچکی ہے۔ آپ کا فرض یہ نہیں ہے کہ
روٹین ورک بچے کی خاطر زندگی کا سارا حسن چھین لیں' کیا پتہ۔۔۔۔ جس بچے
کے لئے آپ زندگی کی اکثریت کو نظرانداز کر رہے ہیں' وہ فطرتاً" قاتل ہو' شرابی
ہو' جواری ہو' ڈاکو ہو یا اس قدر غبی ہو کہ وراثت کو سنبھالنے کا اہل ہی نہ ہو۔
ضروری نہیں کہ شاعر کا بیٹا شاعر ہو اور پیغمبر کا بیٹا پیغمبر ہو۔ کرۂ ارض پر روٹین
ورک بچے کے علاوہ اربوں انسان بستے ہیں۔ ہمارا فرض یہ ہے ہم اس بچے کو وہ
شعور دیں کہ فلاں ابنِ فلاں کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اصل رشتہ انسان کا انسان سے
تعلق خاطر کا ہے۔ یہ تعلق خاطر اپنے بچے سے بھی ہوسکتا ہے' جانے پہچانے لوگوں
سے بھی ہوسکتا ہے اور ان سے بھی ہوسکتا ہے جنہیں آپ بالکل نہیں جانتے۔"

------!؟"

"مَیں آپ کی بات مان لیتا ہوں۔" اب ایک اٹالین نامہ نگار اٹھا ----

"لیکن کیا ایک عورت کی خاطر آسمانوں سے قطرۂ حیات لانا اجتماعی فعل ہے؟"

"بالکل ذاتی فعل ہے۔" مَیں نے جواب دیا۔ "لیکن یہ نفرت کا نہیں محبت کا فعل ہے۔ محبت فرد سے ہو' اجتماع سے ہو' اس عمل کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے اپنی محبوبہ کی قربت کی خواہش روٹین ورک بچے کے لئے نہیں ہے۔ مجھے ایک ہم خیال دوست کی ضرورت ہے جو میرے جسم اور روح دونوں کو تھپکی دے کر آگے بڑھے۔ ہم دوسروں کے لئے مثال بنیں' لوگ ہماری تقلید کریں اور زندگی میں حسن پھلتا پھولتا رہے۔"

"لیکن یہ تو پیمبرانہ رویہ ہے۔" اٹالین بولا۔ "انسان کی فطرت ایسی نہیں بنائی گئی کہ وہ اپنی خواہشات کو یکسر نظرانداز کردے ------؟"

"اصل مسئلہ بھی یہی ہے۔ میں کرۂ یاقوت میں یہی دیکھ کر آرہا ہوں' ان لوگوں نے اپنی فطرت پر فتح حاصل کرلی ہے اور ان کے دل یگانگت کے نور سے منور ہوچکے ہیں۔ مَیں جو زمینی انسان تھا یگانگت کی ایسی بھرمار دیکھ کر حیرت زدہ ہی نہیں گھبرا بھی گیا تھا۔ میرے تینوں ساتھیوں نے اس یگانگت کو قبول کیا اور اپنی اپنی فطرتوں میں محبت کے پیالے انڈیل دیئے' مگر مَیں جو شاعر تھا لذت گناہ کی خواہش کو اپنی فطرت سے نکالنے پر آمادہ نہ ہُوا ---- مَیں اپنی ضد پر اَڑا رہا اور شاہِ یاقوت کی غیر معمولی شخصیت اور غیر معمولی افکار سے اس لئے بچتا رہا کہ زمین پر بچھڑی ہوئی محبت کو پاسکوں۔ مَیں اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لئے واقعی بے قرار ہوں لیکن کرۂ ارض کے لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ شاہِ یاقوت کا شعوری رویہ اپنایا جائے۔ زمین والوں کو چاہیئے پچھلی صدی اور اپنی صدی کے اثرات سے چھٹکارہ حاصل کریں' زندگی کے نئے تصور کو اپنائیں' اسے پھیلائیں اور پھر اسے آگے تقسیم کریں۔"

"یہ تو عجیب ہے۔" جرمن خاتون بولیں۔ "آپ ہمیں تو پچھلی صدی اور اپنی صدی کے اثرات سے نجات حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں مگر خود ایک سادہ سی محبت کے لئے بے چین ہیں۔ کیا یہ دہرا رویہ نہیں ہے؟"

"ہے ----! کیونکہ مَیں بھی آپ میں سے ہوں' فرق صرف اتنا ہے کہ مَیں ایسی محبت کی تلاش میں آیا ہوں جو سادہ نہیں بلکہ بہت پیچیدہ ہے۔ ایک ایسی عورت جو آٹھ بچوں کی ماں ہے۔ ایک معزز شوہر کی بیوی ہے۔ ایک بااثر خاندان سے متعلق ہے اور ایک نہیں کئی صدیوں کے اقدار میں جکڑی ہوئی ہے۔ مَیں اسے زندگی کے نئے تصور کے حوالے سے جیتنا چاہتا ہوں کہ یہ فیصلہ آگے چل کر دنیا کو ایک نئے سماج کی بنیاد فراہم کرے گا۔"

"آپ نئے سماج کی آڑ میں ایک بسے بسائے گھر کو اجاڑنا چاہتے ہیں' دوسروں کو فطرت پر فتح حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں' مگر اپنی فطرت کو شترِ بے مہار کی طرح کھلی چھٹی دینے پر بضد ہیں۔ کرۂ یاقوت سے واپسی پر آپ کو جو حیثیت حاصل ہوگئی ہے اور اس پر حیاتِ جاوداں کے نسخے کی موجودگی کی ترغیب الگ' آپ کو تو لاکھوں لڑکیاں مل سکتی ہیں ---- ایک سے ایک بہترین انتخاب' جو آپ سے ٹوٹ کر محبت کریں گی اور پھر جس خطے کی تہذیب کا یہاں چرچا کرنا چاہتے ہیں' قدرت خود وہ موقع آپ کو فراہم کر رہی ہے۔ آپ سوچیئے کونسی صورتِ حال آپ کے لئے پسندیدہ ہے ------؟"

"بات یہ ہے جرمن خاتون' کہ آپ میری محبت کی نزاکت اور لطافت کے اس پہلو کو نظرانداز کر رہی ہیں جو میرے ذہن میں ہے۔ محبتوں کی شدید یلغار سے

تو مَیں کرۂ یاقوت سے بھاگ کر آرہا ہوں۔ وہاں مَیں اس لئے پسندیدہ شخص تھا کہ مجھے زمین کا باسی ہونے کی انفرادیت حاصل تھی اور وہ لوگ ایک نئے تجربے سے محظوظ ہونا چاہتے تھے۔ اب واپسی پر مَیں اس لئے پسندیدہ شخص ہوں کہ شخصیت کے علاوہ میرے پاس قطرۂ حیات ہے۔ مَیں ہر لڑکی پر شک کرسکتا ہوں کہ وہ مفاد اور بہتر مستقبل کے لئے تعلق خاطر کا اظہار کر رہی ہے۔ ان سب باتوں اور خدشات سے بچنے کے لئے میرے نزدیک بہترین کسوٹی یہ ہے کہ مَیں اس لڑکی کو اپنی محبت سے نوازوں جس نے پچپن برس پہلے اپنی بلند سماجی حیثیت کو خاطر میں نہ لاکر ایک غریب شاعر کو محبت کی نوید دی تھی۔ اگر آپ اس نازک احساس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو میری محبت کو سادہ کبھی نہ کہیں گی اور نہ مجھ سے یہ توقع کریں گی کہ مَیں اپنی فطرت کا کھیل جاری نہ رکھوں؟"

"تو پھر دوسروں کو بھی فطرت پر فتح حاصل کرنے کی ترغیب بے معنی ہے۔" جرمن خاتون بولی۔ "جو لوگ دنیا کی اصلاح کا بیڑہ اٹھاتے ہیں وہ پہلے خود مثال بنتے ہیں' تب لوگ تقلید پر راغب ہوتے ہیں۔ آپ خود تو جذباتی رویہ اختیار کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں مگر دوسروں کو شعوری رویے کی راہ دکھاتے ہیں۔"

"مَیں نے پیغمبری کا دعویٰ نہیں کیا کہ مثال بن سکوں' کروں گا وہی جس کے لئے اترا ہوں۔ ثمرین کی محبت میرے رگ و پے میں دوڑ رہی ہے۔ مَیں اسے اپنے خون سے نہیں نکال سکتا' البتہ جب میں کرۂ یاقوت کا ذکر کرتا ہوں' تو ذات کے مسئلے سے الگ ہوجاتا ہوں اور اس بارے میں جو کچھ کہتا ہوں' سچ ہوتا ہے۔ ---- دنیا والوں کو لپک کر اس سچ کو اپنا لینا چاہیئے۔"

میں دیکھ رہا تھا کچھ لوگ اونگھ رہے تھے پھر بھی کوئی آدمی وہاں سے اٹھنے پر آمادہ نہیں تھا۔

آسیہ اور فصیح الحسن بھی جاگ رہے تھے مگر ان کے بچے اپنی اپنی نشستوں پر سوگئے تھے۔

حتیٰ کہ صبح ہوگئی ----

اخباری رپورٹر جو وقفے وقفے سے چائے اور کافی پیتے رہے تھے' تھکے تھکے اور نڈھال نظر آرہے تھے۔

مَیں نے پریس کانفرنس ختم کرنے کا اعلان کردیا۔

اگلے دن' اور پھر اس سے اگلے دن دنیا کی ہر خبر سکڑ گئی تھی۔ کیا اخبارات' کیا ریڈیو اور کیا ٹیلی ویژن ----'

ابلاغ کے سارے ذرائع میرے لئے وقف ہوچکے تھے۔

مسلسل چھ چھ گھنٹے اس پریس کانفرنس کی روئداد نشر ہوتی رہی۔ ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی اور لوگوں کے اِصرار پر بار بار دکھائی گئی۔ اخبارات نے سینکڑوں صفحات کے نمبر نکالے۔

بعض اخبارات نے مجھے کنفیوز آدمی لکھا ----

بعض نے مجھے ناقابلِ یقین ہستی قرار دیا ----

بعض نے ناقابلِ مفتوح انسان لکھا ----

ایک اخبار نے پُراسرار انسان کہا ----

ایک نے خود غرضی کا شاہکار قرار دیا ----

اور ایک نے عزم و استقلال کا پہاڑ کہہ دیا ----

ہر اخبار کی رائے الگ تھی' ہر تبصرہ نگار کا تبصرہ مختلف تھا اور ہر ماہر کا تجزیہ دوسرے سے لگا نہیں کھاتا تھا ----'

ایک ریڈیو کے مبصر نے کہا۔

"اس کی باتیں عجیب و غریب ہیں' نہ تائید کرنے کا حوصلہ اور نہ تردید کا یارا' وہ محبت کے سلسلے میں انتہائی خود غرض ہے مگر دوسری باتوں میں اجتماعی فکر کا احساس رکھتا ہے ---- قطرۂ جاوداں' جس سے وہ آدمی دنیا خرید سکتا ہے' صرف ایک لڑکی کے حلق سے اتارنا چاہتا ہے۔ اسے عالی ظرف بھی کہا جائے گا اور خود غرض بھی' مگر یہ بات طے ہے کہ زمین والوں کو اس کی باتیں سننا پڑیں گی۔"

ایک ٹی۔وی مبصر نے کہا۔

"وہ شام سے لے کر صبح تک بولتا رہا۔ وہ صبح اسی طرح تازہ دم تھا جیسے کہ شام کو تھا' نہ کھایا' نہ پیا' نہ سویا۔ اس کی شگفتی قابلِ رشک تھی۔ اس کی پختہ کاری عمر سے نہیں' سوالوں کے جواب میں مستور تھی۔ جب تک زمین کی گردش ختم نہیں ہوگی' وہ زمین والوں کو حیران کرتا رہے گا۔"

ایک اور مبصر نے کہا۔

"وہ طاقت ہی طاقت ہے۔ عورتوں کے لئے اس میں بے پناہ کشش ہے۔ روئے زمین پر مَیں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جس کے چہرے پر اس جیسی تازگی اور شگفتگی ہو' وہ بے حد بے باک ہے لگی لپٹی بغیر ہر بات کہہ دیتا ہے -- وہ اچھی باتیں کرتا ہے اور ایسی بھی جو زمینی قدروں سے ٹکراتی ہیں' مگر وہ اس پر بری طرح اٹل رہتا ہے۔"

ایک اور مبصر نے بہت دلچسپ بات کہی۔

"کونسا کام برا ہے کونسا کام اچھا ہے' وہ اسے ذات کے حوالے سے دیکھتا ہے۔ کرۂ یاقوت میں بھی جتنی مدت رہا اپنے خول سے باہر نہ نکلا۔ یہاں آکر بھی جو کچھ ڈھونڈ رہا ہے' ذات کے حوالے سے ڈھونڈ رہا ہے۔ برائی وہ ہے جو اس کی خواہش کی تکمیل میں آڑے آتی ہے اور نیکی وہ ہے جو اس کی خواہشات کی تکمیل میں معاون بنتی ہیں۔ اگر یہ رویہ مستحسن نہیں ہے تو وہ اس پر شرمسار بھی نہیں ہے' کیونکہ وہ صاف کہتا ہے کہ میں لذتِ گناہ کی خواہش کو اپنی فطرت سے نہیں نکال سکتا اور سچی بات تو یہ ہے کہ کرۂ یاقوت کی مثالی جنت بھی اس شاعر کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔"

اس اثناء دنیا کے کونے کونے سے مجھے دعوت نامے موصول ہوئے -- یہ دعوت نامے مختلف سوسائٹیوں کے علاوہ سرکاری سطح پر بھی تھے۔ لوگ باگ تھے کہ میری ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔

امریکی حکومت کی طرف سے تار موصول ہوا کہ امریکی سائنسدانوں کا ایک وفد مجھ سے تفصیلی گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں امریکی سفیر نے بھی مجھ سے ملاقات کی۔ مَیں نے تعاون کا وعدہ کیا۔

سب سے دلچسپ مرحلہ وہ تھا جب جرمن خاتون رپورٹر نے مجھ سے علیحدگی میں ملاقات پر اصرار

مَیں نے اجازت دے دی تو وہ اسی شام میرے سوٹ میں پہنچ گئی - یہ عجیب و غریب ملاقات تھی۔

وہ بیٹھتے ہی بولی۔ "آپ کو شاید یقین نہ آئے مَیں ابھی تک کنواری ہوں' اس بارے میں میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کرسکتی ہوں اور ہر طرح کی یقین دہانی بھی۔ آپ حیران ہوں گے کہ میری عمر ستائیس سال ہے اور مغرب کے آزاد معاشرے میں رہ کر مَیں کنواری کس طرح رہ سکتی ہوں۔ بات یہ ہے کہ مجھے آج تک کوئی مرد پسند نہیں آیا' پسند آیا تو میرے معیار پر پورا نہ اُترا۔ شادی کے سلسلے میں کئی کروڑ پتی آدمیوں کی پیشکش ٹھکرادی۔ میری زندگی میں آپ پہلے مرد ہیں جس کے لئے میرا دل دھڑکا۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا پریس کانفرنس میں سب سے زیادہ سوال

مَیں نے کیئے تھے ---- ان سوالوں میں منطق جو تھی سو تھی اصل مسئلہ آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا آپ جس خوبصورت دنیا سے لوٹے ہیں' اس کے مقابلے میں شاید مَیں ہیچ ہی لگوں اور اس پر سوا یہ کہ آپ زمین کی کسی خاتون کی محبت میں سراپا سرشار ہیں' لیکن ایک بات کہتی جاؤں' روئے زمین پر شائد ہی کوئی دوسری عورت ہو جو مجھ سے زیادہ پیار کرنے کا دعویٰ کرسکے۔ مَیں ہر عورت کے ہر وعدے کو رَد کردوں گی اور ثابت کردوں گی کہ آپ کو چاہنے والوں میں میرا نمبر پہلا ہے ---- یہ نہ سوچئے کہ مَیں قطرۂ دوام کے حصول کی خاطر آپ کی قربت اور محبت کا دعویٰ کر رہی ہوں۔ آپ قطرۂ حیات اسی کے حلق سے اتاریئے جس کے لئے لائے ہیں۔ مَیں اپنی طبعی عمر پر ہی صبرو شکر کرتی ہوں---- میری خواہش بس اتنی ہے کہ زمین پر واپسی کے بعد اس پہلی عورت کا اعزاز مجھے ملے جو آپ کی زندگی میں داخل ہوتی ہے ------؟"

"اگر آپ اپنے اخبار کے لئے فیچر مرتب نہیں کر رہیں' تو مجھے آپ جیسی خوبصورت اور تعلیم یافتہ لڑکی سے دوستی میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن آپ شائد محض دوستی کو کافی نہ سمجھیں اور محبت کا اقرار میں نہیں کر سکتا۔ آپ نے پریس کانفرنس میں میری زبان سے ایسی کئی باتیں سنی ہیں کہ مَیں نے زمینی اقدار کی نفی کی ہے۔ دنیا کے اکثر مبصروں نے میرے رویئے پر تنقید بھی کی ہے۔ مگر زندگی کے ہر پہلو میں اقدار کی نفی میرا نصب العین نہیں ہے ---- مَیں ثمرین کے بارے میں کسی قدر اور کسی اصول کو نہیں مانتا کہ اس کی محبت ہی میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ جہاں ثمرین کا معاملہ آئے گا ہر قدر کی نفی ہو جائے گی۔ لیکن کسی دوسرے معاملہ میں زمین کی اخلاقیات کو نقصان پہنچانے کی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا ----لذتِ گناہ کی خواہش میرے خون میں ضرور موجود ہے لیکن میری فطرت کی ساری صلاحتیں ثمرین کے لئے محفوظ ہیں۔"

"یہ بالکل نیا پہلو ہے ---" جرمن خاتون بولیں --- "گویا ثمرین کے مقابلے میں بدی بھی نیکی کا روپ اختیار کرلیتی ہے۔"

"اگر میری باتوں کا یہی مطلب نکلتا ہے' تو بالکل صحیح ہے۔ ساری کی ساری نیک خواہشات رد' اگر اس میں ثمرین کے وجود کا احساس نہ ہو - وہ ہر حربہ جائز جو ثمرین کی قربت سے آلودہ ہو' ہر فتنہ روا جو ثمرین کو فتح کرنے کا ذریعہ بنے --- ہر بدی مکمل اور ہر فریب مناسب اگر وہ ثمرین کی آمد کا مژدہ سنائے۔"

"شدتِ احساس کی یہ انتہا جائز ہے شاعر؟" وہ ہولے سے بولی۔

"خود آپ جو ساری روایات کو نظر انداز کر کے میری محبت کا دم بھرتی ہیں اس شخص کے شدتِ احساس کے بارے میں پوچھتی ہیں جو محض ثمرین کی خاطر جنت سے لوٹ آیا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ "دنیا میں محبت سے طاقتور چیز دوسری نہیں ہوتی۔"

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی ----'

اجازت چاہی اور چلی گئی------

مگر معاملہ یہاں ختم نہیں ہُوا۔

لڑکیوں کے فون پر فون آنے لگے' خطوط کے انبار لگ گئے۔ ایک سے ایک خوبصورت تصویر ----'

اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک چاروں اطراف سے ----'

ہر لڑکی شادی کی خواہاں تھی۔

ہر لڑکی حیاتِ دوام کے خواب دیکھ رہی تھی۔

ان میں کنواریاں بھی تھیں' شادی شدہ بھی تھیں' غریب بھی...... اور امیر زادیاں بھی' حسن کا لالچ' دولت کی ترغیب' شہرت کا جال اور محبت کے واسطے۔ ----'

لیکن میں جنسی طور پر پختہ کار اور اقتصادی طور پر بے نیاز آدمی تھا کسی دنیاوی طمع سے کیونکر متاثر ہو سکتا تھا۔

دنیا میں دولت اور جنس ہی دو ایسی بنیادی ضرورتیں ہیں کہ ایمان اور کردار متزلزل ہو جائے لیکن حالات کی ستم ظریفی کہ نادانستہ ---- مہر و کرم کی نوازشیں عام ہوئیں۔

سیری کی ایسی انتہا ----

کہ لطف و محبت عذاب جاں ہوئیں!

ثمرین ---- صرف ثمرین ایسی ہستی تھی ----'

جو دنیائے نوازشات سے ذرا پرے تھی ----

وہ روشنی کا ایسا مینارہ تھی کہ اُدھر لپکے بغیر چارہ نہ تھا ----

تشکیلِ محبت اپنی جگہ' تکمیلِ محبت کا خواب ادھورا ----'

زندگی کو بس اسی خواب کی تعبیر دیکھنا تھی ----'

یہی آخری آرزو' یہی آخری سہارا ----

سائنسدانوں کے امریکی وفد نے میرا ناک میں دم کر دیا' گو میں نے ان سے پورا پورا تعاون کیا۔ دنیا کے دو بہترین ڈاکٹروں نے میرا طبی معائنہ کیا۔ مسلسل کئی دن تک میں ان کی طبی مشینوں کا مشقِ ستم بنا رہا۔

لیکن جب انہوں نے قطرۂ حیات کے حصول کے لئے تقاضا کیا تو میں نے صاف انکار کر دیا۔

مسلسل بحث ہوتی رہی۔ انسان کے مستقبل کا واسطہ' انسانیت کا واسطہ' وہ ہر قیمت پر قطرۂ حیات کی اجزائے ترکیبی جاننا چاہتے تھے۔ مجھے ان باتوں سے اتفاق تھا بھی اور نہیں بھی' لیکن جس مصرف کے لئے قطرۂ حیات لایا گیا تھا میرے نزدیک اس سے عظیم مقصد دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔

ایک سائنسدان نے کہا۔ "آپ ایک عورت کی خاطر ساری دنیا کے مفاد کو ٹھکرا رہے ہیں۔"

میں نے جواب دیا۔ "تم سائنسدانوں کا کیا بھروسہ' جوہری طاقت کا راز پایا تو ایٹم بم بنایا' ہائیڈروجن بم بنایا' لاکھوں انسانوں کو تباہ کیا اور ساری دنیا میں ہراس

پھیلایا۔ اب نئے فارمولے کی تلاش میں ہو۔ کون جانے اس کے بعد تم دنیا کو بلیک میل نہیں کروگے۔"

"آپ جس طرح کی تسلی چاہیں امریکی حکومت دینے کو تیار ہے۔ ہم کھربوں ڈالر اس کے عوض دے سکتے ہیں۔"

"اس شاعرانہ کیفیت کا مول آپ نہیں دے سکتے جس کی خاطر میری واپسی ہوئی ہے۔ مجھے اگر خوش کام ہی رہنا تھا تو حسنِ مکمل کو خیرباد ہی کیوں کہتا۔ مَیں تو اس کیفیت کی تلاش میں آیا ہوں جو میری زد میں ہے اور میری زد سے باہر بھی ہے۔ مَیں ایک کیف بے وجود کو متشکل دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم سائنسدان لوگ نزاکتِ احساس کی اس کیفیت کو کیا جانو۔"

"آپ شعوری رویے کی تلقین کرتے آئے ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "خود آپ کا رویہ' کیا شعوری رویہ ہے؟"

"میں انسانیت کے لئے شعوری رویے کو بہتر سمجھتا ہوں' لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے' مَیں اپنے لئے شاعرانہ رویہ میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں کامیابی کے لئے شعوری رویہ ہی درست رویہ ہے' لیکن کامیابی اور شئے ہے اور خوشی دوسری چیز' مَیں دوسروں کے لئے کامیابی پسند کرتا ہوں اپنے لئے تلاشِ یار پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہ بحث کرۂ یاقوت میں بھی جاری رہی یہاں بھی سلسلہ نہیں ٹوٹا۔"

"ممکن ہے کامیابی ہی خوشی کا دوسرا نام ہو ----؟"

"ہاں ہوسکتا ہے کیونکہ اکثریت کا یہی خیال ہے۔ کرۂ یاقوت میں بھی مَیں نے اکثریت سے اتفاق نہ کیا اور یہاں بھی اپنی بات پر اَڑا ہُوا ہوں لیکن اس کا کیا کروں' میرے دل و دماغ میں خوشی کا احساس اکثریت سے بالکل مختلف ہے -- دنیا کی کوئی کامیابی اس احساس کی لذت آفرینی سے بڑھ کر نہ ہوگی۔"

ہم سائنسداں اس احساس کو اپنی اصطلاح میں ہوس کہیں گے۔"

"درست ---- کہ بھیڑ اور شیر کی فطرتیں مختلف ---- شعر اور سائنس کے راستے بھی الگ' آپ زمین کے بھیدوں کی جستجو میں' ہم انسان کے اندر کی تلاش میں' آپ کا مسئلہ اوزان اور پیمانے' ہم محبت کے مارے ہوئے لوگ' جس کی ترغیب پر آدم نے جنت کو چھوڑا' یہ دنیا عبارت ہی محبت سے ہے۔ جذبے کو نکال دو' تو اس زمین پر باقی رہ کیا جاتا ہے -- روشنی کے راستے کون بند کرسکتا ہے۔ آپ محبت کو نکال دیں انسانی خون سے' دیکھنا اگلے روز سورج بجھ چکا ہوگا!"

"یہ شاعری ہے نری شاعری"۔

"یہ آپ کو شاعری اس لئے لگتی ہے کہ آپ کے آنسو خشک ہوچکے ہیں اور مَیں' اپنی آنکھ کا آنسو آپ کو دے نہیں سکتا ---- سائنس کا بڑے سے بڑا کمال بھی تر آنکھوں کا بدل نہیں بن سکتا۔ آپ اپنے اختیار سے میرے جسم سے خون نکال سکتے ہیں۔ مگر سائنس کی بڑی سے بڑی قوت میری آنکھوں سے ایک قطرہ آنسو نہیں ٹپکا سکتی ---- میرا آنسو میری آنکھ سے گرے گا تو میرے اندر کی تحریک سے' اور یہ اندر کی بات میں سائنس کے حوالے نہیں کرسکتا۔"

جب کچھ نہ بن پایا تو ان لوگوں نے حکومت کی طرف رجوع کیا۔ مگر حکومت مجھ پر اس لئے دباؤ نہ ڈال سکی کہ میں بین الاقوامی حیثیت اختیار کرچکا تھا اور ابلاغِ عامہ کے ذرائع میری چھینک کا بھی نہایت فخر سے ذکر کرتے تھے۔

اخبارات نے تو باقاعدہ ایڈیٹوریل نوٹ لکھے اور امریکی سائنسدانوں کی تحریک کی مذمت کی۔ خود امریکہ میں بھی ملا جلا ردِعمل تھا۔ کچھ لوگ اس حق میں تھے کہ مَیں انسانیت کی بقا کے لئے سائنسدانوں سے تعاون کروں' لیکن اکثریت ان لوگوں

کی تھی جو فرد کی آزادی کے علمبردار تھے اور مجھے اپنی مرضی سے زندگی بسر کرنے کا حق دیتے تھے۔

اٹلی کے ایک اخبار نے "آخر کیوں" کے عنوان سے نوٹ لکھا:

"دنیائے بے مثال کے وہ لوگ' جنہوں نے قطرۂ حیات دے کر شاعر کی واپسی کا اہتمام کیا' یہ بات جانتے تھے کہ شاعر یہ سب تگ و دو اپنی محبوبہ کے لئے کر رہا ہے۔ اگر کرۂ یاقوت کے تاجور نے شاعر کی دلجوئی کو ہی افضل جانا ہے' تو زمین کے لوگوں کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ شاعر سے اس کی متاعِ حیات چھین لیں ---- ہم شاعر کے رویے کو درست سمجھتے ہیں کیونکہ کائنات کے اعلیٰ ترین لوگوں نے بھی اس کی خواہش کو جائز جانا ہے۔"

اس نوٹ کو بہت اہمیت دی گئی۔ چار دانگ عالم میں اس کا شہرہ ہوا اور ہمارے ملک کے اخبارات نے بھی اسے سراہا۔

مَیں بہت خوش تھا کہ ثمریں بھی حالات کا مطالعہ کر رہی ہوگی۔ منتظر ہوگی کہ مَیں کب اور کہاں اس سے رابطہ پیدا کرتا ہوں۔

اور وہ دن قیامت کا دن تھا جب ایک عورت بغیر اطلاع اور بغیر اجازت میرے کمرے میں داخل ہوئی۔

یہ بڑھیا جو قیمتی مگر سادہ لباس زیبِ تن تھی' نہایت بے باکی مگر تمکنت سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس سے پہلے کہ مَیں کچھ کہتا' اس نے میری حیرتوں میں مزید اضافہ کر دیا۔

"یہ تم نے کیا ادھم مچا رکھا ہے چنگیز! محبوبہ، محبوبہ کی رٹ الگ رہی' تم نے تو میرا نام تک اچھال اچھال دیا۔ آٹھ جوان بچوں کی ماں اور ایک معزز سیاستدان کی بیوی' کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہ چھوڑا۔ جیتے جی زندہ در گور کر دیا۔"

"ثمریں!" بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔ "یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ مَیں جو ارض و افلاک پر تمہارے لئے لڑتا رہا' مَیں جس نے تمہارے لئے دنیائے بے مثال کو الوداع کہا ---- مَیں جس نے تمہاری خاطر حسنِ ناتمام سے منہ موڑا' مَیں جو تمہارے لئے جامِ جوانی کا تحفہ لایا' اور مَیں جو تمہارے لئے حیاتِ جاوداں کی مسرتیں لایا ----- واہ حد ہوگئی' مَیں پچپن برس بعد واپس آیا' تمہاری خاطر آیا' کیا کیا خواب دیکھے' کیا کیا تعبیریں سوچیں' اور تم ایسی بے صبر' بے دھڑک اندر آگئیں۔ مَیں نے کب چاہا تھا کہ جھریوں بھرا چہرہ دیکھوں گا' مَیں نے تو اہتمام کیا تھا ---- سوچا تھا سامنا اس وقت ہوگا جب قطرۂ حیات تمہارے حلق سے اتر جائے گا۔"

مَیں تجھے اصلی شکل میں کیوں نہ ملتی کہ حواس ابھی ٹھکانے تھے۔ جوان بچوں کی ماں' خود جوان ہو کر لوٹتی تو مر کیوں نہ جاتی' تم نے کس طرح سوچا کہ ایک نامور شوہر کی بیوی اور آٹھ تعلیم یافتہ بچوں کی ماں پندرہ سال کی لڑکی کا روپ دھار کر پھر سے مکتبِ عشق کھولے گی ----؟"

"کم بخت عورت' تو کل کی نہیں آج کی بات کہہ رہی ہے۔ نہیں جانتی' سو سال بعد نہ تمہارے بچے ہوں گے اور نہ شوہرِ نامدار۔ میدانِ کار زار میں صرف تم کھڑی ہوگی اور مَیں نظر آؤں گا ---- جو تم کہو گی سچ ہوگا جو مَیں کہوں گا سچ ہوگا ---- اِدھر چند لمحوں کی شرم' اُدھر زیست کا بحرِ بے کنار' اِدھر اذیت کی چند ساعتیں' اُدھر عیشِ مسلسل کا لذت آفریں ذائقہ۔"

"ہوش کی دوا کرو چنگیز! اب اس عمر میں طلاق لوں گی اور تم سے شادی رچاؤں گی' نہ بابا! چاند بھی ہاتھ میں رکھ دو' مجھ سے یہ ظلم نہ ہوگا۔"

"طلاق کیوں لوگی' مَیں تمہارے شوہر کے مرنے کا انتظار کر سکتا ہوں' مگر

تمہاری موت کا رسک نہیں لے سکتا۔ تم قطرۂ زیست پی لو اور واپس چلی جاؤ' پانچ دس برس بعد جب شدتِ احساس کی سطح بدل جائے' ہم ایک دوسرے سے مل لیں گے۔"

"نا! مَیں یہ نہیں کرسکتی' بدلی ہوئی شکل سے بچوں اور شوہر کا سامنا نہیں کرسکتی۔ یہ بہت بھیانک جھوٹ ہوگا۔"

"ثمریں! حماقت کی باتیں نہ کرو' تمہیں احساس نہیں، تمہاری خاطر کیسی دنیا چھوڑ کر آرہا ہوں۔ سیلابِ نور میرا مسکن' حسن میرا اوڑھنا' محبت میرا بچھونا' نیکی میرا ذائقہ اور خوشبوئیں مجھے لوریاں دیتی تھیں' مگر میں ایسا احمق زمین زمین پکارتا تھا کہ زمین پر تم تھیں۔ تمہاری وہ آنکھیں تھیں جس میں محبت کی پہلی تحریر پڑھی تھی اور اب' تم ایسی دنیا دار' کہ میرا مشن ہی ختم ہُوا جارہا ہے ------!"

"تم میرے دل کی کیفیت نہیں جانتے چنگیز! تم نے میرا نام لیا' میرے بچوں نے مجھ پر شک کیا۔ میرے شوہر نے مجھے بدلی بدلی نگاہوں سے دیکھا -- ان لمحوں کی اذیت کا احساس تم نہیں کرسکتے۔ مَیں وہ نہیں جو کبھی تھی۔ عورت بہت کمزور چیز ہوتی ہے۔ بیوی بن کر مزید کمزور ہوجاتی ہے اور ماں بن کر اس سے بھی زیادہ کمزور ہوجاتی ہے۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو' سچ ہوگا' لیکن میری مجبوری تمہارے سچ سے بھی بڑا سچ ہے۔ مَیں تمہاری قربانیوں سے فائدہ اٹھانے سے معذور ہوں۔ جانتی ہوں کیا کھو رہی ہوں۔ لیکن یہی میرا مقدر ہے۔ایک مقتدر خاندان کی وجاہت میری زندگی سے نہیں میری موت سے عبارت ہے۔"

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے ----؟"

قطعی آخری' اب یہ تم پر موقوف ہے میرا نام اچھالو' نہ اچھالو' پاس محبت کیا ہے یہ بھی تم پر چھوڑتی ہوں ۔"

"قطرۂ حیات کا کیا کروں گا' کیا اسے سمندر میں پھینک دوں؟"

"یہ زمین اتنی تنگ تو نہیں ہے۔ محبت کرو گے تو چاروں سمت سے محبتوں کی بارش شروع ہوجائے گی۔ کوئی تو ہوگی خوش نصیب' جو معیار پر پوری اترے' متاعِ زیست اسی کا' تم بھی اسی کے۔"

"دنیا داری تم پر ختم ہوئی' حوصلے کی داد دیتا ہوں اور تمہارے شوہر کو سلام بھیجتا ہوں جس نے تمہیں ایسی استقامت بخشی۔"

"تم نے میرے بچے نہیں دیکھے - ایک سے ایک فاضل' ایک سے ایک متین' ان کی شخصیتوں میں ایسی جکڑی ہوئی ہوں کہ کسی طرف دھیان نہیں جاتا۔"

"مَیں تو مر بھی نہیں سکتا' کیا کروں گا ----؟"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"ہمدردی سے میری تسلی نہیں ہوسکتی۔ تم نے ساری گفتگو میں میری محبت کا اقرار نہیں کیا۔ محبت کے مقابلہ میں ہمدردی بہت حقیر لفظ ہے۔"

"محبت کے اقرار کی کیفیت کا دور ختم ہوچکا ہے۔ جس شوہر کے لئے میں عمرِ جاودانی سے پہلوتہی کر رہی ہوں' محبت تو مجھے اس سے بھی نہیں ہے' وہ تڑپ جو کبھی تمہارے لئے تھی' بہت عرصہ ہُوا ختم ہوچکی ہے۔ محبت سدا قائم رہنے والی چیز نہیں ہے' خصوصاً" جنسی محبت ایک مخصوص عمر رکھتی ہے۔ اس مخصوص عمر کے بعد زندگی کا جو دور آتا ہے وہ تعلق خاطر کا نہیں' محض سماجی رابطے کا دور ہوتا ہے۔ اس لئے میں خود کو یا تم کو مغالطے میں کیوں رکھوں کہ ہم ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہیں۔"

"تمہارے خیالات میں بہت پختگی آچکی ہے اور یہی المیہ ہے انسان کا' پختہ

کاری زندگی کی ساری تازگی ختم کر دیتی ہے۔"

"مَیں نے کہہ دیا ہے مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ اس ہمدردی کی بنیاد پر میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔ مَیں یقین سے تو نہیں کہہ سکتی کہ اس پر عمل کرکے آپ کے جذبات کی تازگی سدا قائم رہے گی' البتہ تجربہ کیا جاسکتا ہے۔"

"وہ کیا ـــــ؟" میرے لہجے میں تجسس تھا۔

"میری ایک پوتی ہے میری ہم شکل' مَیں اسے اعتماد میں لے سکتی ہوں کہ تم سے رابطہ پیدا کرے' تم اسے قطرۂ حیات سے نواز سکتے ہو' لیکن میری موت کے بعد ـــــ!"

مَیں ہنس پڑا' لیکن مجھے محسوس ہُوا کہ میری ہنسی بے حد کھوکھلی ہے۔

"ثمریں!" مَیں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "تم مجھے ایک جسم کی ترغیب دے رہی ہو ایسی لڑکی کی' جس کی شکل تم سے ملتی ہے۔ اس کا مطلب ہے ساری پختہ کاری کے باوجود تم کسی نہ کسی شکل میں مجھ سے رابطے کو برا نہیں سمجھتیں' لیکن سماج سے خوفزدہ بھی ہو۔ تمہارے لہجے میں خوداعتمادی کے فقدان کے باوجود احساسِ قربت کی خواہش موجود ہے۔ اس خفیف سے احساس کے لئے بھی مجھے تمہارا شکرگزار ہونا چاہیئے۔ لیکن مسئلہ جسم کا نہیں' محبت کا ہے' میرے چاہے جانے کی خواہش کا ہے۔ تم سے زیادہ' یعنی تمہاری پوتی سے بھی زیادہ خوبصورت عورتیں میرے اِردگرد منڈلا رہی ہیں۔ لیکن مَیں تو اس معصوم احساس کی تلاش میں تھا جو اضطراری کیفیت میں تمہاری روح سے میری روح میں منتقل ہُوا تھا۔ یہ سوچا سمجھا اختیاری فعل نہیں تھا' تمہاری پوتی کا اختیاری عمل میری روح میں کیونکر گداز پیدا کرسکتا ہے۔"

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس لحاظ سے درست کہہ رہے ہو کہ تمہاری جسمانی اور قلبی واردات جوان ہیں۔ کرۂ ارض کے بڑھاپے سے تمہارا واسطہ ٹوٹ گیا ہے اور قطرۂ حیات نے تمہاری اضطراری کیفیتوں کو ابدیت بخش دی ہے' اس لئے تمہاری باتوں میں پچاسی برس کے عمر کی متانت نہیں رہی۔ میری پوتی کو تم نے یوں رَد کردیا کہ اس کی سپردگی بے ساختگی کے عمل سے خالی ہوگی اور خود مَیں تمہاری مدد اس لئے نہیں کرسکتی کہ زمین کے آب و دانہ نے میری ساری اضطراری کیفیتیں ختم کردی ہیں' اور زوالِ عمر نے مجھ پر وہ متانت ٹھونس دی ہے کہ اضطراری کیفیتوں کے حصول کا موقع میرے دامن کو چھُو رہا ہے' مگر مَیں اسے ہاتھ نہیں لگا سکتی ـــ بس یہی میری بدقسمتی ہے جسے آپ پُختہ کاری کہتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کرۂ ارض کی گھٹن مصنوعی ہے اور ہمیں اس سے بہتر سماج کی شدید ضرورت ہے۔"

"بہت وقت لگے گا چنگیز! قدروں کے حصار سے نکلنے میں صدیاں بیت جاتی ہیں۔"

"لیکن المیہ یہ ہے کہ میرے لئے وقت کی رفتار تھم چکی ہے۔ موت کی خواہش یا موت کا خدشہ میرے لئے بے معنی لفظ ہیں۔ کل اور آج کا مفہوم بھی میری کتابِ زندگی سے خارج ہوچکا ہے اور جب تم بھی میری زندگی سے نکل جاؤ گی تو اس بھری کائنات میں بالکل اکیلا رہ جاؤں گا اور تب مجھے شدید احساس ہوگا کہ کرۂ یاقوت کی بے کراں محبتوں سے منہ موڑ کر مَیں نے واقعی غلطی کی ہے۔ اس غلطی کا احساس اس وقت اور شدید ہوگا جب کرۂ ارض کے لوگ ایک دوسرے سے برسرِپیکار ہوں گے ـــــ تیسری' چوتھی اور پانچویں جنگِ عظیم ہوگی' دنیا تباہ و برباد ہوتی رہے گی اور تماشہ دیکھنے والا اکیلا مَیں ہوں گا۔"

"جو بھی ہے' ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔ یہ ایسا جھوٹ ہے جو سچ سے

زیادہ ٹھوس ہے۔"

"تم نے یہ جھوٹ بولنے میں بہت جلدی کی۔ میرے سارے پلان دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ساری رومانیت خاک ہوگئی۔ تم نے صاف لفظوں میں میری محبت سے انکار کیا اور دبے لفظوں میں اقرار کیا۔ تم وہ نہیں ہو جس کا اظہار کر رہی تھیں۔ تم وہ ہو جس سے انکار کر رہی ہو۔۔ تمہارا آنا اضطراری ہے' تمہارا فرار اختیاری ہے۔ آدمی کا خارج کچھ اور' آدمی کا اندر کچھ اور' سچ صرف یہ ہے کہ تمہاری مجبوری محض معاشرتی ہے۔"

"جو بھی ہے مَیں اس معاشرتی حجاب کی اسیر ہوں' مَیں کمزور ہوں' بزدل ہوں' ناتواں ہوں' ڈرپوک ہوں کہ سب کچھ ہاتھ سے نکلا چاہتا ہے' مگر یہ کھائی پھلانگ نہیں سکتی۔"

"مقدر مقدر ——! بس اب تم چلی جاؤ' بہتر ہے اس دنیا سے ہی چلی جاؤ' کم ازکم مرنا تو تمہارے اختیار میں ہے۔"

ثمریں نے ایک زبردست تحیر کے ساتھ میری طرف دیکھا۔

وہ کھڑی ہوگئی۔

اس کی آنکھوں میں عجیب سا کرب تھا۔

اس کے چہرے کی جھریاں وحشت ناک اذیت کے ساتھ اور گہری ہوگئیں۔ وہ چلی گئیں ---- وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

دروازہ بند ہونے کی آواز سے جو ارتعاش پیدا ہُوا تھا وہ میرے جسم اور روح میں دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

وہ پورا دن اور پوری رات میں نے کسی سے بات نہ کی۔

اگلے دن صبح کے اخبارات آئے تو ایک ہی خبر تھی۔

ہر اخبار کی شہ سرخی ایک تھی ----

ثمریں نے خودکشی کرلی ----

شاعر کی محبوبہ نے شاعر سے ملاقات کے بعد خودکشی کرلی!!

مشہور سیاستدان کی بیوی نے بڑھاپے میں خودکشی کرلی!!!

مختلف آرا ----

مختلف تبصرے ---- مختلف افواہیں۔

البتہ ایک اخبار نے وہ مختصر تحریر چھاپ دی تھی جو ثمریں لکھ کر چھوڑ گئی تھی۔

"میں نے محبت کی محرومی قبول کی تھی ----'

اس کی سعادت سے منہ نہیں موڑا تھا ----'

اس نے کہا مرجاؤ'

مَیں مرگئی ------!"



تو یہ باب بھی ختم ہُوا ـــــ

گفتگو کا ایک نیا در کھل گیا ـــــ'

ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخباری نمائندوں نے ایک بار پھر ہلہ بول دیا۔

مگر وہ کیف زا تحیر' انجانی سرخوشی' جو ثمریں کی موت کے بعد میرے حصے میں آئی تھی اپنی روح میں جذب کرنا چاہتا تھا۔

ایسی مختصر مگر جامع تحریر کے ذائقے کا لطف وہی شخص اٹھا سکتا تھا جس نے اسے موت کا حکم دیا تھا ـــ

اسے قطرۂ حیات پلانے پر راضی نہ کرسکا' لیکن حرفِ فنا کے مجاز کی سند مَیں ہی ٹھہرا ـــ

مَیں نے کہا ـــ "زندہ رہو۔" وہ نہ مانی۔

مَیں نے کہا ـــ "مرجاؤ۔" وہ مرگئی۔

زیست کو ہار جانا کہ اقدار زیست کا یہی تقاضا تھا۔

موت کو کھیل جانا کہ اقدار محبت کی یہی شان تھی ـــ

جو کام آسان تھا' ہار گئی ـــ

جو کام مشکل تھا' جیت گئی ـــ

ثمریں مرگئی' وہ کتنی اٹل تھی' اولاد کی محبت میں' وہ کیسی اسیر تھی' شوہر کے

ذکر میں ـــ'

وہ کس انداز میں محبت کو رد کر رہی تھی' نفی کر رہی تھی ـــ'

لیکن جب لمحۂ آخریں آیا' تو ساری چوکڑی بھول گئی'۔

لمحۂ اولیں' لمحۂ آفریں بنا'۔

یہی ہوتا ہے ـــ

کبھی جینا امنگ' کبھی جینا عذاب ـــ'

کبھی موت سے خوف' کبھی موت ہی مداوا ـــ'

انسان کتنا مجبور ہے' کتنا بے بس ہے' کوئی کام اس کی مرضی سے نہیں ہوتا'

کم از کم زمین کا مقدر یہی ہے۔ ابھی کئی صدیاں اور اس کا مقسوم نہیں بدل سکتیں۔

ـــــ

مَیں جو اس کی موت پر اترا رہا ہوں محض یہی نا کہ میری خاطر مرگئی یعنی مَیں تسلیم کیا گیا ـــ

اعتراف کی یہ خوشی' جو اس کی فنا سے میرے وجود تک پہنچی' دَرحقیقت چیز کیا ہے ـــ؟

تابِ محبت یا انتشارِ فکر ـــ؟

انسانی نفسیات میں اس طرح کی وحشیانہ مسرت کو کونسا درجہ ملے گا؟ میرے ادراک کی سرحد یہاں ختم ہوتی ہے ـــ

اور پھر میں آسمان کی طرف دیکھتا ہوں کہ فہم و مفہوم کا کوئی دریچہ وا ہو' کوئی راہ سوجھے ـــ

کہ مسرتیں کس طرح پکڑی جاتی ہیں ـــ؟

زندگی کس طرح سہل ہوتی ہے؟ اور انتشارِ فکر کی قوتیں کس طرح زیر کی

جاتی ہیں۔۔۔؟

اور وہ جو میرا خدا ہے، مجھے وہ لوراک کیوں نہیں دیتا کہ زمین کی چھاتی پر گلاب ہی گلاب اگاؤں۔۔۔؟

سات دن گزرنے کے بعد کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اجازت ملنے پر ہوٹل کا منیجر اندر آگیا۔ وہ انتہائی متحیر اور مؤدب تھا۔

"سر۔۔۔! دنیا بھر کے رپورٹر آپ کے منتظر ہیں۔ پورا گلوب آپ کی عافیت جاننے کے لئے پریشان ہے۔ ٹرنک کال کا کوئی حساب نہیں، منوں سوؤں کے حساب سے خطوط اور تاریں موصول ہوئی ہیں!"

"آج رات نو بجے کے لئے پریس کانفرنس کا اعلان کردو۔"

"ویری گڈ سر۔۔۔!" منیجر خوش ہوگیا۔ "کافی، چائے، ٹھنڈا یا کچھ اور سر۔۔۔!"

"نہیں کوئی ضرورت نہیں، مہربانی۔"

وہ حیران مگر خوش خوش چلا گیا۔

پریس کانفرنس کا ہجوم دیدنی تھا۔ ہر آدمی مجسم سوال تھا اکسائٹمنٹ کی انتہا تھی۔۔۔

وہ جو بہت سنجیدہ اور متین سمجھے جاتے تھے ندیدوں کی طرح سوال پر سوال کئے جا رہے تھے۔ مَیں خاموش تھا اور ان کی اضطرابی کیفیت پر غور کر رہا تھا۔ نقصان میرا ہوا تھا بے حال وہ ہو رہے تھے۔

سوالوں کی بوچھار ختم ہوئی تو مَیں نے ہولے سے بات کا آغاز کیا۔

"وہ مر گئی۔۔۔! اُسے مرنا ہی تھا۔ جو محبت کرتے ہیں اسی طرح مرتے ہیں۔ یہ جذبوں کا کاروبار ہے۔ اس بیوپار میں مول تول نہیں ہوتے، بولیاں نہیں لگائی جاتیں۔۔۔ وہ مر سکتی تھی، مر گئی کہ مرنا اس کے اختیار میں تھا۔ مجھ سے پوچھو کہ بے اختیار ہوں، مرنا چاہتا ہوں مر نہیں سکتا، مگر سانس سانس مر رہا ہوں۔۔۔ ہر سانس جینے کا دھڑکا، ہر سانس مرنے کا احساس۔۔۔ یہ ایک دن کا قصہ نہیں، ایک سال کا نہیں، ایک ہزار سال کا بھی نہیں۔۔۔ میرا سفر تو چاند کی طرح طویل اور بے معنی ہے، کبھی روشن کبھی تاریک، کولہو کے بیل کا طواف۔۔۔ سورج کی طرح اپنی آگ میں جلوں گا، جلتا رہوں گا کہ اس کا مقصد ابھی دریافت نہیں ہوا۔ یہ جو ویران سیارے معلق ہیں افلاکوں میں، اربوں اور کھربوں سالوں سے، تو مَیں کیا چیز ہوں کہ ذاتی سانحہ کو المیہ عالم کہوں۔۔۔ زمین پر چار ارب انسان بستے ہیں، کوئی قاتل ہے، کوئی مقتول ہے۔ دن میں ہزاروں حشرات الارض مرتے ہیں۔ ہزاروں جنم لیتے ہیں، نہ مارنے والا ہاتھ رکتا ہے اور نہ پیدا کرنے والی قوت ختم ہوتی ہے۔۔۔ فنا اور بقا دوش بدوش خوشی اور غم شانہ بہ شانہ۔۔۔ مَیں جو اکیلا تھا اکیلا رہ گیا۔۔۔ صحرائے زیست ہے اور مَیں ہوں۔۔۔ میرے مقابلے میں آپ ہیں کہ موت جیسے خوف سے آراستہ ہیں۔۔۔ شاید موت کا خوف بظاہر پسندیدہ نہ ہو، لیکن یہ موت ہی ہے جس سے زندگی کا حسن عبارت ہے۔۔۔ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ زندگی کے انجام سے باخبر ہیں۔ چونکہ باخبر ہیں اس لئے زندگی کو برتنا بھی جانتے ہیں۔۔۔"

ایک نامہ نگار نے ہاتھ اٹھایا۔ "چار ارب انسانوں میں سے ایک انسان کی کمی نے آپ کو اس قدر قنوطی بنا دیا ہے۔۔۔؟"

"ہاں۔" مَیں نے جواب دیا۔ "مَیں نے ثمرین سے کہا آبِ حیات پی لو، اس نے انکار کیا۔ مَیں نے کہا زہر پی لو، اس نے لبیک کہا۔۔۔ آپ لوگ اس نازک فرق کو نہیں سمجھے، اور نہیں سمجھیں گے تو مجھے قنوطی کہیں گے اور قنوطی کے

مروجہ معنی سے مجھے شرمندہ کرنا چاہیں' تو یہ کوشش اس لئے بیکار ہوگی کہ ثمرین کے سلسلے میں ہر طرح کی قنوطیت کی سند لینے سے مجھے عار نہیں ہوگی ---- مَیں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں جہاں پیار کی بات آئے گی سارے اصول دھرے رہ جائیں گے۔ شعور اپنی جگہ مگر جذبہ تو جسم میں دوڑنے والے خون میں رچا بسا ہوتا ہے۔ انسان تو انسان ہے آپ جانور سے جذبہ نہیں چھین سکتے' مرغی کے چوزے کو ہاتھ لگا کر دیکھیں' وہ شیرنی کی طرح بپھر کر ٹھونگا مارے گی۔ کسی پلے کو چھیڑیں' کتیا پورے کے پورے دانت آپ کی پنڈلی میں گاڑ دے گی۔ ناگ کا سر کچل دیں' ناگن ساری زندگی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گی ----!

"تو دوستو ---- اگر پھر بھی آپ کا الزام باقی ہے کہ مَیں خود غرض ہوں' تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو کہ الزامِ محبت تو میری شان ہے۔ مَیں اپنی فطرت کو اس لئے بچا کر نہیں لایا تھا کہ روایتی اقدار کے لئے اس کا گلا گھونٹ دوں گا ---- مَیں جو افلاکیوں کے سکے میں نہ آسکا' ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر منتقل کرنے والے سیدھے سادے لوگوں کی باتوں سے کیا تاثر لوں گا ----! ظاہر ہے آپ میرے دکھ سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ آپ دنیا دار لوگ ہیں۔ خبر حاصل کرنے کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ آپ کے لئے میرے پاس بس اتنی خبر رہ گئی ہے کہ آپ بے خبر لوگ ہیں اور کسی کی روح کی تشنگی کی خبر نہیں رکھتے!"

چند ساعتوں کے لئے خاموشی طاری ہوگئی۔

پریس کانفرنس میں وہ جرمن خاتون بھی موجود تھی جو پہلی پریس کانفرنس میں چہک چہک کر بولی تھیں' اور سب سے زیادہ بولی تھی' آج سنجیدہ اور خاموش بیٹھی تھی۔

"تو سچائی یہ ہوئی۔" ایک سویڈش نامہ نگار بولا۔ "کہ فرد کی فطرت ہی اولیں اور آخریں ہے۔ فرد ہی مقدم ہے اور فرد کے جذبوں سے مقدس چیز دوسری نہیں ہوتی ----؟

"ہاں' جذبے بہت مقدس ہوتے ہیں جو لوگ جذبوں کی تقدیس کو نہیں مانتے' ایک مدت کے بعد درندے بن جائیں گے۔ فرد کا احساس بھی نہایت لطیف اور پاکیزہ شے ہے۔ انسان کے احساس کو نظرانداز کردیا جائے تو زندگی کے سارے دیپے بجھ جائیں گے اور رات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منجمد ہوجائے گی۔ رہی فطرت کی بات ---- تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ چڑیا کا بے بال و پر بچہ گھونسلے میں ماں کی چہک سن کر اپنی زرد چونچ کس طرح کھولتا ہے' تو آپ اس سے یہ عرفان کیسے چھین سکتے ہیں ---- اب اس مفہوم کو دوسرے الفاظ میں سنیئے ---- آپ کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں' کسی بھی عقیدے سے' یہ عقیدہ انفرادی ہو یا اجتماعی' اس میں کسی نہ کسی طرح کی عصبیت ضرور کار فرما ہوگی' ہمارے تو ناموں میں بھی عصبیت خفتہ ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ہم شہر' ضلع اور صوبے کی سطح پر بھی عصبیت سے خالی نہیں ہوتے ---- رد کرنے کے لئے آپ جس عصبیت کے شکار ہوتے ہیں تحسین کے لئے اس سے کئی گنا زیادہ ذوقِ سلیم کی ضرورت ہوتی ہے ---- میرا مطلب ہے کہ انسان کی فطرت کو رد کرنے سے تکمیلِ انسانیت کا خواب کبھی پورا نہ ہوگا ---- اخلاقی قدروں کو بہرحال فطرت سے ہم آہنگ کرنا نہایت ضروری ہے۔ ورنہ خیر و شر کے تعین کا مسئلہ لٹکتا رہے گا اور صداقتوں کی پہچان میں بہت مشکل پیش آئے گی۔"

"یعنی زمین پر جو صداقتیں موجود ہیں' ان پر آپ کو شک ہے"؟ ایک ڈچ نامہ نگار بولا۔

"دراصل زمین پر جتنی صداقتیں ہیں' ان کا ڈھانچہ اپنے اپنے مذاہب کی

بنیادوں پر کھڑا ہے۔ ہر مذہب دوسرے مذہب کی صداقتوں کو رد کرتا ہے ----
ظاہر ہے شک تو جنم لے گا ----اب ہم میں سے ہر آدمی کے بس میں یہ بھی نہیں کہ باری باری مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے ہاں جنم لے اور مختلف صداقتوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے اور پھر سچائی کا تعین کرے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم وراثت میں عصبیت لے کر آتے ہیں۔ ہم کتنے بھی عالی ظرف بنیں گھٹی میں آئی ہوئی عصبیت کا شکار ہو ہی جاتے ہیں۔"

"تو پھر اس المیے کا علاج کیا ہے؟" ایک آواز آئی۔

"اپنے احساس کے ساتھ جیئو۔ انڈے سے نکلنے والے چوزے کے عرفان کے ساتھ آگے بڑھو۔ مَیں تو صرف یہی بات جانتا ہوں۔"

"کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کسی کو قتل کردوں۔ آپ اس احساس کی صداقت کو مان لیں گے؟" ولندیزی نے بات آگے بڑھائی۔

"میرا خیال ہے خواہش اور احساس مختلف چیزیں ہیں۔ خواہش سے آپ خدا کو نہیں پہچان سکتے مگر احساس سے خدا کا ادراک بہت قریب آجاتا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "آپ قطعی بات کیوں نہیں کہتے ----؟"

"مَیں تو خود صداقت کی تلاش میں ہوں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کچھ لوگوں نے میری باتوں کو دھیان سے سنا' کچھ نے میرا مضحکہ اُڑایا' ممکن ہے مضحکہ اُڑانے والے ہی حق بجانب ہوں اور ممکن ہے غلط ہوں' مگر مجھے تو اپنی ڈگر پر چلنا ہے۔ کبھی نہ کبھی تو صداقت کا تعین ہو گا۔ آپ نہ ہوں گے' مَیں آنے والی نسلوں کو تو بتا سکوں گا کہ نہ مرسکنے کی حسرت اپنی جگہ' لیکن اَمر ہونے کی مجبوری میں یہ پہلو تو ہے کہ ایک دن میں اٹل ہو کر بات کرسکوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے آپ زندگی کی مشاہیر کی منطق رد کرتے ہیں۔ فلسفہ کی

ساری کتابیں ہیچ ہیں اور دنیا کے بڑے بڑے سکالروں نے جھک ماری ہے ----؟" ایک زوردار سوال آیا۔

"دوستو--! سوال رد و قبول کا نہیں ہے۔ سوال امن' امن اور امن کا ہے' سوال شانتی کا ہے' سوال محبت کا ہے۔ اگر یہ منطق یہ فلسفے درست ہوتے' تو آج دنیا میں کوئی شخص دکھی نہ ہوتا' بہت سی کتابیں پڑھ لینا' بہت علم حاصل کرلینا' ایسا ہی ہے جیسے بھینس اور گائے کھرلی میں بھرے ہوئے خوراک کے ذخیرے سے پیٹ بھرلیتی ہیں۔ پھر آرام سے بیٹھ کر مزے سے جگالی کرتی ہیں اور خوراک کا لطف اٹھاتی ہیں ------ ہمارے فلسفیوں نے بھی یہی کیا ہے' بہت سا علم ذخیرہ کیا پھر کسی کونے کدرے میں بیٹھ کر جگالی کرنے کے لئے بیٹھ گئے اور مختلف علوم کی کشید قطرہ قطرہ صفحۂ قرطاس پر ٹپکانے لگے۔ لوگ جو ان سے کم ادراک رکھتے تھے' ان کے مقلد بن گئے۔ انہوں نے اسے منطق کہا۔ پھر انہوں نے اپنی قابلیت کے مطابق اس منطق میں مزید ستارے ٹانکے اور اپنا نام مفسروں کی فہرست میں لکھ ڈالا ---- یہ سلسلہ آگے بڑھا' مزید آگے بڑھا اور ایک ہزار ایک فرقے بن گئے۔ کتابوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی' علم پھیلتا چلا گیا' مگر وہ روشنی انسان کو نہ مل سکی کہ اس کا اندر منور ہو جاتا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر ایک امریکن اٹھا۔ "گویا ہم نے جو سائنس میں ترقی کی ہے سب بے کار ہے؟"

"سائنس تو حساب کا نام ہے۔" مَیں نے جواب دیا۔ "دو جمع دو مساوی چار تو ریاضی کا مسئلہ ہے۔ یہ ایک تکنیکی عمل ہے' تکنیکی عمل کا ارتقا اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ آپ حساب میں جتنا ڈوبیں گے' جتنی گہرائی میں جائیں گے' زیادہ سے زیادہ موتی پائیں گے' لیکن مسئلہ ہائیڈروجن بم کا نہیں' میزائل کا نہیں' راکٹ کا نہیں'

چاند اور مریخ تک رسائی کا نہیں ---- مسئلہ تو روح کی نکھار کا ہے' امن کا ہے' محبت کا ہے' شانتی کا ہے - دور کے سفر کی ضرورت نہیں' مسئلہ انسان کے اندر جھانکنے کا ہے۔ حق وہاں ختم نہیں ہوتا جہاں آپ کی ذہنی سطح کی حد بندی ہوجاتی ہے بلکہ حق تک پہنچنے کے لئے آپ کو اپنی ذہنی سطح کی حد بندی کو توڑنا ہوگا۔ عقیدوں کی فصیل سے باہر آنا ہوگا۔ وراثت میں ملے ہوئے تعصبات کا قلعہ ڈھانا ہوگا اور نظریات کی چٹانوں کو توڑ پھوڑ کر پاؤں تلے روندنا ہوگا۔

"کہنے کی بات صرف اتنی ہے کہ انسان آخر انسان سے کیوں لڑے - آپ اپنے سینوں میں جھانکیں تو لڑانے والے شیطان کا احساس ہوجائے گا۔ دراصل ہمیں ایک دوسرے سے لڑانے والی چیز عقیدہ ہوتا ہے' ہمارے تعصبات ہوتے ہیں' نظریہ' نظریے سے جنگ لڑتا ہے اور انسان مارے جاتے ہیں۔ یہ جنگ و جدل آخر دانش کا عمل کیونکر ہوسکتا ہے؟ دانش کیسے گوارہ کرے کہ انسان کے خون سے ہولی کھیلی جائے ----؟ پچھلی صدیوں کی بات چھوڑیں' بیسویں صدی کی دانش کا یہ حال ہے کہ لوگ حکومت کرنے کے لئے میکاولی کو پڑھتے ہیں اور چانکیہ کے اصولوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور طاقت کو سچائی مانتے ہیں ---- تبھی تو مَیں کہتا ہوں جب تک آپ اپنے اخلاق و اقدار کو فطرت کے ہم آہنگ نہیں کریں گے' آپ اس خلاء کو نہیں پاٹ سکتے جو آپ کے سینوں کے اندر موجود ہے ----؟"

پورا پورا ہال خاموش تھا۔

گویا کسی نے جادو کی چھڑی پھیردی ہو ----!

مَیں بھی ڈیڑھ دو منٹ تک خاموش کھڑا رہا کہ شاید کوئی اور سوال آئے مگر ہال کا سناٹا بتا رہا تھا کہ ان کی جیبیں سوالوں سے خالی ہوچکی ہیں۔

اب رات کے دو بج رہے تھے' مَیں نے پریس کانفرنس ختم کرنے کا اعلان کیا۔ لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور سرگوشیاں کرتے ہوئے ہال سے باہر جانے لگے۔

مَیں کرسی پر بیٹھ گیا کہ ہال خالی ہو' تو اپنے کمرے میں جاؤں' مَیں حیران تھا آج کسی نے قطرۂ حیات کے بارے میں ایک سوال بھی نہ کیا تھا۔

تھوڑی دیر میں سارا ہال خالی ہوگیا۔ آخری قطار میں صرف ایک لڑکی رہ گئی تھی۔

وہ کرسی سے اٹھی' لڑکی سیدھی میری طرف آرہی تھی۔

جب وہ نصف فاصلہ طے کر چکی' تو میں بری طرح چونکا ----

یہ لڑکی ہو بہو ثمریں کی کاپی تھی اور اس کی عمر انیس بیس برس سے زیادہ نہ تھی ----

مَیں بے اختیار کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا ----

لڑکی میرے قریب پہنچ کر رک گئی ----

اور آنکھیں میری آنکھوں میں گاڑ دیں ----!

اس کی نظریں میری چھاتی کے آر پار ہوگئیں----!!

وہ بہت بھولی بھالی اور متین تھی ----

چند منٹ تک ہم خاموش کھڑے رہے ----

نہ اس نے پلکیں جھپکائیں نہ مَیں نے آنکھیں اس کے چہرے سے ہٹائیں۔

------!!!

ہوٹل کے کارندے شاید اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے' مگر ہمیں کچھ خبر نہ تھی کہ وہ واقعی کام کر رہے ہیں یا ہماری وارفتگی کا لطف اٹھا رہے ہیں۔

اس کی آنکھیں یوں چمک رہی تھیں جیسے تتلی کے پروں سے ہفت رنگ

روشنی چھن چھن کر آرہی ہو۔

وقت کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی' لیکن اب احساس ہو رہا تھا کہ وقت یہیں رک جائے اور سدا کے لئے رک جائے ----

دس منٹ گزرے' پندرہ منٹ گزرے' آدھا گھنٹہ گزر گیا-- مَیں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا کتنا سمے بیت گیا' مگر ہم کھڑے رہے۔

معاً" اس کے ہاتھ کو حرکت ہوئی' اس نے بند مٹھی میری طرف بڑھائی۔ وہ یوں تک رہی تھی جیسے اس کی مٹھی میں دنیا کا انمول راز بند ہو۔

مَیں نے بھی ہاتھ آگے بڑھایا۔

اس کی بند مٹھی میری ہتھیلی میں کھل گئی۔

میرے ہاتھ میں کاغذ کا چھوٹا سا پرزہ تھا جس پر لکھا تھا:

"تم اس سے ضرور ملنا۔"

میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

یہ ثمریں کے ہاتھ کی تحریر تھی ------ میں سمجھ گیا تھا۔ یہ لڑکی اس کی پوتی تھی۔

ثمریں نے اپنی محبت یوں منتقل کردی تھی۔

مَیں سٹیج سے نیچے اتر گیا۔ "آؤ میرے ساتھ!" لڑکی میرے ساتھ ساتھ چل پڑی۔

کمرے میں پہنچ کر مَیں نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔

وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی' مَیں بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا----

وہ سہمی ہوئی تھی اور متوحش ہرنی کی طرح دیکھ رہی تھی لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان متوحش آنکھوں میں طمانیت کا گہرا احساس بھی موجود ہے۔

"تم اس سے ضرور ملنا' تم اس سے ضرور ملنا۔"

اس فقرے میں کتنا یقین تھا۔ ثمریں نے مرنے سے پہلے کس دعویٰ سے یہ پانچ لفظ لکھے تھے۔

ان پانچ الفاظ میں جیسی کیفیت تھی وہ تو تھی ہی' کرۂ زمین کا یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک عورت نے اپنی محبت تیسری نسل میں منتقل کردی تھی۔

لڑکی کی روشن روشن آنکھوں میں یہ طویل داستان لفظ لفظ رقم تھی۔ آنکھیں جھپکائے بغیر اس کا سحرزدہ انداز دیدنی تھا۔

"تم اس سے ضرور ملنا۔"

یہ پانچ لفظ کیا تھے پانچ روشن چاند زمین پر اتر آئے تھے۔ میری رگوں میں لہو کی جگہ غالباً" سیال نور تیر رہا تھا----

میری روح یوں کبھی منور نہ ہوئی تھی۔

مَیں اٹھا' الماری کھولی اور وہ ڈبہ نکالا جس میں قطرۂ حیات محفوظ تھا۔

دوای زیست کی شیشی میرے ہاتھ میں دیکھ کر لڑکی ایک لمحے کے لئے لرز اٹھی۔

شاید یہ یقین کرنا بہت مشکل تھا کہ اگلے دو چار لحوں میں وہ امر ہُوا چاہتی تھی۔ شدتِ جذبات سے اس کی آنکھیں نمناک ہوگئیں' غالباً" اس لئے' کہ ایک غیر فانی محبت اس کی جھولی میں ڈھیر ہو رہی تھی۔

مَیں نے آبِ دوام کی شیشی ہتھیلی میں رکھ کر اس کی طرف بڑھائی ----

اس چھوٹی سی شیشی میں آبِ حیات کا قطرہ پارے کی طرح لرز رہا تھا۔

اس نے کانپتے ہاتھ سے شیشی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"اسے منہ میں رکھ لو' شیشے کی نوک کو دانتوں سے توڑ دو اور محلول حلق سے

اتار دو۔"

اس نے ویسا ہی کیا جیسے مَیں نے کہا۔۔۔

اس سے اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور آنکھوں کے گوشوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔

وہ اُداس اُداس سی چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے دھیرے دھیرے بھیگی آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں تشکر کی گمبھیر کیفیت تھی۔ یہ زمین کا دوسرا لافانی کردار تھا۔

اس کی آنکھیں اب بھی میری آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں' لیکن اب ان آنکھوں میں خوف کی بجائے کومل کومل احساسِ بہاراں تھا۔

"میرے پاس جو کچھ تھا تم پر نچھاور کر دیا۔" مَیں نے بات کا آغاز کیا۔

اس نے پہلی بار پلکیں جھپکائیں۔ یہ خاموش مکالمہ تھا۔ غالباً" اس نے شرفِ قبولیت کی سند عطا کی تھی۔۔۔!

"اب آپ آزاد ہیں۔" مَیں نے اس کی سیاہ غزالی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ "گھر جانا چاہیں' والدین کے پاس رہنا چاہیں' دادا کے پاس فرانس جانا چاہیں' دنیا کے جس گوشے میں کہیں آپ کو پہنچا دیا جائے گا۔۔۔ اپنے امر ہونے کے اعلان کو راز رکھنا چاہتی ہیں یا اس کے ذکر سے شاد کام ہونا چاہتی ہیں۔ یہ خود آپ کے صوابدید پر منحصر ہے۔ کسی لڑکے سے محبت کرتی ہیں' اس سے شادی بھی کرنا چاہتی ہیں' آپ کو اجازت ہے۔۔۔ میرے رویے پر کوئی اعتراض ہو' کسی طرح کا شک ہو' کوئی سوال آپ کے دل میں کلبلا رہا ہو' مَیں جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔۔۔ دس سال' پچاس سال' سو سال' جب تک آپ کا من چاہتا ہے جس طرح کی زندگی گزارنا چاہتی ہیں' خود آپ پر موقوف ہے۔ میری طرف سے گلے شکوے شکایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا! کیونکہ مَیں جانتا ہوں ایک دن آپ خود مجھے تلاش کرتی ہوئی آئیں گی۔ آپ دیکھیں گی ایک ہزار سال کے بعد بھی مجھے اپنا منتظر پائیں گی۔۔۔!"

مَیں نے دیکھا۔۔۔

اس کی لبوں پر نرم نرم' ملائم ملائم سی مسکان پھیل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں رنگا رنگ دیپ جل رہے تھے۔

"تو پھر۔۔۔؟"

مَیں نے اس کی آنکھوں کے نورانی دیپ اپنے سینے میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"مَیں جس دنیا سے آ رہا ہوں وہاں نہ جبر ہے' نہ کینہ ہے' نہ نفرت' اور نہ عداوت۔ وہاں سے بغض و عناد' مقابلہ' انتقام اور تضادات کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔ وہاں بس ایک چیز زندہ ہے۔۔۔ محبت' محبت اور صرف محبت۔۔۔ مَیں وہاں سے یہی تحفہ لایا ہوں اور آج مَیں نے سب کچھ تم پر وار دیا ہے۔"

"مَیں جانتی ہوں۔۔۔!" وہ پہلی بار بولی۔ اس کی آنکھوں کی طرح اس کے لہجے میں بھی یقین تھا۔۔۔

"مَیں دادی اماں کی شکل ہی نہیں' دادی کی آتما بھی لے کر آئی ہوں' شعر کہنے والے لوگ مجھے ہمیشہ اچھے لگتے ہیں' کیونکہ یہ دوسروں سے منفرد اور ممتاز ہوتے ہیں۔۔۔ آپ کے گم ہونے کی کہانی مَیں بچپن میں دادی اماں سے سن چکی ہوں۔ سنِ بلوغت تک پہنچنے کے بعد بھی یہ کہانی مجھے یاد تھی مگر اس شکل میں گویا دادی اماں نے کبھی خواب دیکھا تھا۔۔۔ لیکن جب اخباروں میں آپ کی تصاویر اور ٹی وی پر آپ کا انٹرویو دیکھا' تو وہ بالکل وہی آدمی تھا جس کا ذکر دادی اماں نے کیا تھا۔۔۔ دادی اماں بھی حیران کہ یہ تو چنگیز مگر اب تک جوان کیسے

---؟ تب مَیں نے دل ہی دل میں سوچا تھا --- دادی اماں! مَیں نہ صرف "تمہارا روپ لے کر آئی ہوں بلکہ تقدیر بھی وہی' دل بھی وہی اور روح بھی وہی ---!! اور جب دادی اماں نے فرانس سے وطن جانے کے لئے مجھے بھی تیار کیا تو مَیں سمجھ گئی کہ کائنات میرے قدموں میں آیا چاہتی ہے' کیونکہ میرے وجدان نے تو بہت پہلے نتائج کو پالیا تھا-----!!!"

"یہ بھی تو ہوسکتا تھا ثمریں قطرۂ حیات پینے پر رضامند ہوجاتی؟"

"ایسا ناممکن تھا" وہ بولی۔ "اگر اس کا ذرا بھی شائبہ ہوتا' تو مجھے یقیناً عرفان ہوجاتا۔ آخر قدرت کو مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی -------- اسے تیسری نسل میں ہو بہو دادی اماں جیسی روح کی تخلیق کی ضرورت کیوں پیش آئی، بلکہ حیران کن امر یہ ہے کہ میری اور دادی اماں کی فطرتیں بھی بالکل ایک جیسی ہیں --- جو جگہ انہیں پسند' وہی مجھے پسند' جو ڈش انہیں اچھی لگی' اسی کی مَیں شیدائی' جو کپڑا انہوں نے پہنا' وہی میرے جسم پر سجا' نرم خو وہ' صلح جو مَیں' اور تو اور ہمارے تو محبت کے جذبات بھی ایک جیسے ---- جس مرد کو انہوں نے پہچانا' پوتی نے بھی اسی کو جانا۔ ہندوؤں کے آواگون کے مسئلے کو مَیں اس لئے درخور اعتنا نہیں سمجھتی کہ اس کا سلسلہ موت کے بعد شروع ہوتا ہے --- ایک جنم کے بعد دوسرا جنم' مگر یہاں تو معاملہ ہی عجیب و غریب ہے ---- دادی کی حیات میں ایک اور حیات' نہ خدو خال میں فرق اور نہ عادات و اطوار میں' اور پھر نکتۂ آفریں یہ کہ محبت بھی دونوں نے ایک ہی شخصیت سے کی ----!"

"آپ کی باتیں بہت دلچسپ ہیں مگر ایک بات آپ بھول گئیں آپ کی ذہانت بھی وہی ہے جو ثمریں کی تھی ---!"

"مَیں اور بھی بہت ساری باتیں بھول گئی ہوں' مگر اٹل حقیقت اپنی جگہ' کہ ایک روح بیک وقت دو قالبوں میں متحرک تھی ---- وہ جو کہتے ہیں کہ ایک روح دو قالب' تو شاید اس کی سچی مثال مَیں اور میری دادی تھیں ---- محاورہ کہنے والے کو کیا پتہ تھا کہ ایک دن یہ محاورہ عملی شکل اختیار کرے گا----؟"

"تو اس کا مطلب ہے کہانی یہاں ختم ہوگئی ----؟"

"شائد آپ کے نقطۂ نگاہ سے' ورنہ میرے لئے تو آج سے کہانی شروع ہو رہی ہے۔ میری زندگی کا آج پہلا سورج طلوع ہُوا ہے۔ مَیں اس سورج کی ایک کرن پکڑوں گی اور اسے وجدان میں سجاؤں گی اور پھر سجا سجایا وجدان لے کر آپ کے عرفان میں جابسوں گی۔"

"اور مَیں سمجھتا ہوں ایسا تو کب کا ہوچکا ہے ----!"

"ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے۔ ہم دونوں مل کر ساری دنیا گھومیں گے اور مساوات کے علمبرداروں سے کہیں گے' تمہاری منطق ادھوری اور ناکام ہے۔ تم انسان کو مسرت سے ہمکنار نہیں کرسکے۔ تمہارے ملک کی فاختہ اداس اور تمہاری لغت میں آشتی کا مفہوم نہیں ملتا' ہم فرد کی آزادی کے علمبرداروں سے کہیں گے تمہاری منطق بھی نامکمل ہے' تم میں خود اعتمادی کی کمی ہے' تم میں یقین کی بھی کمی ہے' تمہارا انسان مایوس اور تنہا ہے' خوفزدہ ہے اور وہ امن کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ ہم دنیا سے کہیں گے ---- انسان کے خوف کو دور کرو' اس کے اندر سے تنہائی کے زہر کو کھرچ ڈالو' جیو عدل سے جیئو' محبت سے جیئو اور کھلے ذہن سے جیئو۔ اگر ہم مغرب و مشرق کے انسانوں کو باور کرانے میں کامیاب ہوگئے کہ ہم وحشی ہیں' خود غرض ہیں' ظالم ہیں اور ہمارا رویہ بالکل اس درندے جیسا ہے جو پیٹ کو ہی زندگی کی اصل حقیقت سمجھتا ہے تو گویا ہم اسے ایک بہت بڑے مفہوم سے آشنا کرنے کے فرض سے عہدہ برا ہوں گے۔"

"واہ خوب!" مَیں اچھل پڑا۔ "تو گویا تم جینے کا مفہوم سمجھتی ہو۔ یہ تو بہت اچھا ہُوا۔ مَیں جو ثمریں کی موت کے بعد طویل نہ ختم ہونے والی زندگی کو بار سمجھنے لگ گیا تھا اب ایسا بے بس نہیں رہا۔"

"نہیں بالکل نہیں! بے بسی کا کیا ذکر آج سے نئی زندگی کی جہد شروع' نظریات سے نظریات کی جنگ کے خلاف آج سے جہاد کی ابتداء' صدی دو صدی آخر کب تک لوگ ہماری بات پر دھیان نہ دیں گے؟"

"ضرور دیں گے۔" مَیں نے اس پھول سی لڑکی کو اٹھا کر گلے لگایا۔

"آخر محبت سے لوگ کب تک دامن چھڑا سکیں گے' کب تک محبت سے دور بھاگیں گے۔ آج سے ہزار دو ہزار سال بعد کرۂ یاقوت سے رابطہ پیدا ہوگا تو ہم کہنے کے اہل ہوں گے ...... دیکھو کرۂ یاقوت کے محبت گزیدو' زمین کی چھاتی پر گلاب ہی گلاب کھل چکا ہے۔ ہم نے اسے انسانی محبت سے لالہ زار بنادیا ہے۔

